اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ **الامداد** لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۲ | ذیقعدہ سنہ ۱۴۴۲ھ | جولائی ۲۰۲۱ء | شمارہ ۷

حرمات الحدود

شرعی حدود کی رعایت (قسط اوّل)

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ = /۴۰ روپے

زر سالانہ = /۴۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس

۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور

مقام اشاعت

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور

35422213
35433049

پتہ دفتر

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ

۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

وعظ

حرمات الحدود

(شرعی حدود کی رعایت) قسط اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بمقام جامع مسجد مچھلی شہر ضلع جون پور ۸ شعبان ۱۳۴۱ھ بعد نماز جمعہ ۲ گھنٹہ کھڑے ہوکر ارشاد فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۶۰۰ تھی۔ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے قلمبند فرمایا۔ بعض احباب نے حضرت سے درخواست کی تھی کہ ہم کو مسائل تو کتابوں سے معلوم ہوجاتے ہیں مگر احکام کی حدود معلوم نہیں ہوتیں جس کی وجہ سے پریشانی ہوتی ہے اگر اس کے بارے میں کوئی رسالہ قلم بند فرمادیں تو عنایت ہوگی، اس پر حضرت تھانویؒ نے اس مضمون کو بیان فرمایا کہ ہماری یہ حالت ہے کہ جس کام کو ہم نیک سمجھتے ہیں اس میں بڑھتے چلے جاتے ہیں نہ اسراف کا خیال ہے نہ اسکی فکر ہے کہ اہل وعیال کو اس سے پریشانی ہوگی نہ اس کا اندیشہ ہے کہ ہم مقروض ہوجائیں گے ہمارے نزدیک صرف گناہوں کے کاموں میں خرچ کرنا ہی گناہ ہے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنیت تفاخر کھانا کھلانے کی ممانعت کی ہے ''نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن طعام المتبارین'' اور جس کام کو برا سمجھتے ہیں اس کو چھوڑتے چلے جاتے ہیں ہمارے نزدیک نہ نیک کام کو کرنے کی کوئی حد ہے نہ برے کو چھوڑنے کی، شریعت نے تمام احکام کی حدود بیان کی ہیں جن کی رعایت کرنی چاہیئے، حضرت نے تفصیل سے وہ حدود بیان کی ہیں اس موضوع پر یہ کافی طویل وعظ ہے اس لیے دو اقساط میں شائع کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز

خلیل احمد تھانوی

حرمات الحدود (شرعی حدود کی رعایت) قسط اوّل

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱..........	موضوع وعظ کا تعین..................................	۷
۲..........	مسلمانوں کی علمی و عملی کوتاہیاں....................	۸
۳..........	تفاخر کی نیت سے کھانا کھلانا حرام ہے.................	۹
۴..........	تہائی مال میں وصیت کی اجازت........................	۱۱
۵..........	نام اور شہرت لا حاصل شئی ہیں........................	۱۱
۶..........	تفاخر میں خرچ کرنا گناہ ہے............................	۱۲
۷..........	اسراف اور تفاخر کا منشاء..............................	۱۴
۸..........	مردودیت شیطان کا سبب................................	۱۴
۹..........	انفاق میں ضروریات اعتدال...........................	۱۵
۱۰..........	ہر کام میں تعین حدود کا منشاء.........................	۱۶
۱۱..........	اوقات مکروہ نماز....................................	۱۷
۱۲..........	روزہ کی حدود...	۱۸
۱۳..........	حج کی حدود..	۱۸
۱۴..........	حدود معاملات.......................................	۱۸
۱۵..........	شریعت میں رعایت حدود کا حکم.......................	۱۹
۱۶..........	احکام طلاق کی حدود میں حکمت.......................	۱۹
۱۷..........	حق تعالیٰ کے ذمہ علت احکام بیان کرنا نہیں..............	۲۰
۱۸..........	تفسیر آیت متلوہ......................................	۲۱
۱۹..........	لا تدری کی توجیہ.....................................	۲۳
۲۰..........	نکاح ایک طلاق سے بھی مرجاتا ہے.....................	۲۳
۲۱..........	عورتوں سے مساویانہ سلوک نہ کرنے کا حکم..............	۲۵

۲۲.........	بدطینت عورت کا طریق تنبیہ........................	۲۵
۲۳.........	طلاق سے قبل ضرورت پنچ........................	۲۶
۲۴.........	احکام شرعیہ میں رعایت جذبات........................	۲۸
۲۵.........	تین دن تک نہ بولنا جائز ہے........................	۲۸
۲۶.........	نفرت نفسانی........................	۳۰
۲۷.........	اعتبار خاتمہ کا ہے........................	۳۱
۲۸.........	شریعت میں رعایت جذبات کے ساتھ حفاظت حدود....	۳۲
۲۹.........	بچوں کو غصہ میں سزا نہ دینے کا حکم........................	۳۳
۳۰.........	اختلاف مزاج کیوں ہوتا ہے........................	۳۴
۳۱.........	ناموافقت مزاج کے ساتھ نباہ مشکل ہے............	۳۵
۳۲.........	پیری ومریدی کا سارا مدار مناسبت پر ہے............	۳۶
۳۳.........	دنیا دار مشائخ کا حال........................	۳۷
۳۴.........	شیخ ومرید میں مناسبت کا ہونا ضروری ہے............	۳۷
۳۵.........	شریعت کا کوئی حکم خالی از حکمت نہیں............	۳۸
۳۶.........	مشائخ کاملین کا حال........................	۴۰
۳۷.........	توکل کی حقیقت........................	۴۱
۳۸.........	کمزوری طبیعت کا علاج........................	۴۱
۳۹.........	مقدر رزق کا پہنچانا اللہ کے ذمہ ہے............	۴۱
۴۰.........	ضعف قلب منافی ولایت نہیں........................	۴۳
۴۱.........	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خوف طبعی........................	۴۴
۴۲.........	حضرات انبیاء علیہم السلام کو تبلیغ احکام میں خوف عقلی نہیں ہوتا	۴۵
۴۳.........	حضرات انبیاء علیہم السلام پر تبلیغ ہر حال میں فرض ہے.....	۴۶
۴۴.........	حکایت سید الطائفہ حضرت حاجی صاحبؒ وحضرت ضامن شہیدؒ..	۴۸
۴۵.........	اخبار الجامعہ........................	۵۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد ان سیدنا و مولانا محمدًا عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ اٰلہ و اصحابہ و بارک و سلم اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(یَٰٓأَیُّهَا ٱلنَّبِیُّ إِذَا طَلَّقۡتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحۡصُواْ ٱلۡعِدَّةَۖ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ رَبَّكُمۡۖ لَا تُخۡرِجُوهُنَّ مِنۢ بُیُوتِهِنَّ وَلَا یَخۡرُجۡنَ إِلَّآ أَن یَأۡتِینَ بِفَٰحِشَةٖ مُّبَیِّنَةٖۚ وَتِلۡكَ حُدُودُ ٱللَّهِۚ وَمَن یَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهُۥۚ لَا تَدۡرِی لَعَلَّ ٱللَّهَ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذَٰلِكَ أَمۡرٗا)(۱)

موضوع وعظ کا تعین

اس وقت جس آیت کی میں نے تلاوت کی ہے اس کے خاص حصہ سے مجھے مقصود کو مستنبط(۲) کرنا ہے اس مقصود کی تعیین عنقریب ہوجائے گی اس کا ضروری اور مہتم بالشان ہونا بھی معلوم ہو جائے گا جس مضمون کو میں نے اس وقت اختیار کیا ہے اس کا

(۱) ’’اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کو زمانہ عدت سے پہلے طلاق دو اور عدت کو یاد رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے اور عدت میں ان مطلقہ عورتوں کو ان کے رہنے کے گھروں میں سے نہ نکالو اور وہ عورتیں خود نہ نکلیں مگر ہاں کھلی ہوئی بے حیائی کریں تو اور بات ہے یہ سب خدا کے مقرر کئے ہوئے حدود ہیں جو شخص ان حدود خداوندی سے تجاوز کرے گا تو اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا تم کو معلوم نہیں شاید اللہ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کردیں‘‘ سورۃ الطلاق:۱ (۲) مقصود کو اخذ کرنا ہے۔

مجھے یہاں آنے سے پہلے خیال نہ تھا یہاں آکر بھی از خود ذہن میں نہیں آیا میرے یہاں آنے کے بعد جب بیان کا تذکرہ ہوا تو میں سوچتا تھا کہ کیا بیان کروں کیونکہ عادت یہ ہے کہ بیان موافق موقع و مصلحت ہو، کیف ما اتفق (جیسا کہ اتفاق ہو) کسی مضمون سے بیان کردینے کی عادت نہیں ہے اس لیے مجھ کو پریشانی تھی کہ اتفاقاً آج رات کو بعض احباب کے ساتھ حفاظت حدود احکام (۱) کے متعلق تذکرہ ہوا انہوں نے یہ کہا تھا کہ ہم کو مسائل واحکام تو کتابوں سے معلوم ہوجاتے ہیں مگر احکام کی حدود معلوم نہیں ہوتیں اس لیے بعض دفعہ سخت خلجان (۲) ہوتا ہے اس کے ساتھ انہوں نے یہ درخواست بھی کی تھی کہ اگر کوئی رسالہ اس بحث پر لکھ دیا جائے جس میں ضروری احکام کے حدود بیان کردیے جائیں تو بہت اچھا ہو۔ اس وقت میں نے یہ جواب دیدیا تھا کہ احکام تو بہت ہیں جزئیات کا احصاء (۳) بہت مشکل ہے اگر کوئی رسالہ لکھا گیا تو اس میں خاص خاص جزئیات ہی سے بحث ہوگی اور ان کی تعیین بھی مجھے خود کرنا پڑے گی اس صورت میں ممکن ہے کہ بعض وہ جزئیات رہ جائیں جن کی حدود معلوم ہونے کی آپ کو ضرورت ہے تو وہ رسالہ بھی ناکافی ہوگا اس کی سہل صورت یہ ہے کہ آپ حضرات کو جن جزئیات کے حدود معلوم کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے آپ ان کو سوال کی صورت میں لکھ کر بھیجتے رہا کریں میں اس کا جواب لکھ دیا کروں گا۔ اسی طرح بعض اور احباب سے کہا جائے کہ ان کو جو مسائل ایسے پیش آئیں جن کی حدود ان کو معلوم نہ ہوں وہ بھی ان کو قلم بند کرکے سوال کی صورت میں تھانہ بھون بھیج دیا کریں کچھ عرصہ میں ان جزئیات کا کافی ذخیرہ جمع ہوجائیگا پھر اس کو رسالہ کی صورت میں جمع کردیا جائے گا اس رائے کو سب نے پسند کیا اور سوالات بھیجنے کا وعدہ کیا یہ تذکرہ تو ہو چکا۔

مسلمانوں کی علمی و عملی کوتاہیاں

لیکن میرے خیال میں اسی وقت یہ بات آئی ہے کہ مضمون واقعی بہت ضروری

(۱) احکام کی حدود (۲) پریشانی ہوتی ہے (۳) احاطہ۔

اورمہتم بالشان ہے کیونکہ آجکل مسلمانوں کی علمی اور عملی کوتاہیوں کا زیادہ تر سبب یہی ہے کہ ہم حدود کی رعایت نہیں کرتے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگوں کو اس مضمون کی طرف رغبت بھی ہے اور حدود معلوم کرنے کے منتظر ہیں اس لیے مناسب یہ ہے کہ مختصر طور پر اسی کا بیان آج کے وعظ میں ہوجائے۔ مختصر اس لیے کہا کہ یہ بیان اس وقت کلی ہوگا جزئی نہ ہوگا کیونکہ جزئیات کا احصاء ہونہیں سکتا بالخصوص ایک جلسہ میں لیکن میں نے یہ خیال کیا کہ مالا یدرك كله لا يترك كله جس چیز کو پورا حاصل نہ کیا جاسکے اس کو بالکل چھوڑ دینا بھی مناسب نہیں۔ جب یہ مضمون ضروری ہے تو جتنا ایک جلسہ میں مجھ سے بیان ہوسکتا ہے مجھے بیان کردینا چاہیے باقی تکمیل خود احباب کے ہاتھ میں ہے اگر وہ واقعات وجزئیات حادثہ سے سوال کریں گے تو اور بھی ذخیرہ تو جمع ہوجائے گا ورنہ یہ بیان ہی ضبط ہوکر اس بحث میں کام دے گا۔ پس ہر چند کہ یہ بیان مختصر ہوگا لیکن پھر بھی ان شاء اللہ کافی ہوجائے گا قواعد کلیہ پر تنبیہ ہوجانے سے بھی کسی درجہ میں کفایت ہوجائے گی ورنہ احصاء تو کتب بینی سے اور صحبت اہل اللہ سے اور جزئیات میں غور کرنے سے ہوگا۔

تفاخر کی نیت سے کھانا کھلانا حرام ہے

اس وقت ہماری یہ حالت ہے کہ جس کام کو ہم نیک سمجھتے ہیں اس میں بڑھتے چلے جاتے ہیں اور جس کو برا سمجھتے ہیں اس کو چھوڑتے چلے جاتے ہیں۔ بس ہمارے ذہن میں یہ دو کلیے جمع ہوئے ہیں کہ نیک کام میں جتنا بڑھ سکیں بڑھنا چاہیے اور برے کام کو جتنا چھوڑ سکیں چھوڑنا چاہیے ہمارے نزدیک نہ نیک کام کرنے کی کوئی حد ہے(۱) نہ برے کام کے چھوڑنے کی مثلاً ہم نے یہ سمجھ لیا کہ خرچ کرنا اچھا کام ہے تو اب اس میں بڑھتے چلے جاتے ہیں نہ اسراف کا خیال ہے نہ اس کی فکر ہے کہ اہل وعیال کو اس سے پریشانی لاحق ہوگی نہ اس کا اندیشہ ہے کہ ہم مقروض ہوجائیں گے اور زمین وجائیداد

(۱) کوئی انتہاء۔

قرضہ میں نیلام ہوجائے گا ہمارے نزدیک صرف رنڈی بھڑوں میں خرچ کرنا ہی گناہ ہے اس کے سوا اور کسی موقع پر خرچ کرنا گناہ ہی نہیں۔ چنانچہ تفاخر کی نیت سے خرچ کرنے کو گناہ نہیں سمجھا جاتا حالانکہ حدیث میں اس کی صاف ممانعت ہے۔

نہٰی رسول اللہ ﷺ عن طعام المتبارین (۱) رسول نے بہ نیت تفاخر کھانا کھلانے والوں کے کھانے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ آجکل شادیوں کے موقع پر کھانا کھلایا جاتا ہے کہ اس میں اپنی آمدنی اور حیثیت کو بھی نہیں دیکھا جاتا بلکہ یہ تحقیق کی جاتی ہے کہ فلاں شخص نے اپنے بیٹے کی شادی میں کتنے کھانے پکائے تھے اور کتنے آدمیوں کو بلایا تھا پھر اس کی کوشش ہوتی ہے کہ اس سے زیادہ کھانے پکائے جائیں اس سے زیادہ مجمع کیا جائے اگر زیادہ نہ ہو تو کم از کم اس کے برابر تو ہوتا کہ وہ ہم سے بڑھا ہوا نہ رہے یہ ہے طعام المتبارین (۲) جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا۔ افسوس ہے کہ دعوت کھانے والے نہیں دیکھتے کہ داعی کی نیت کیا ہے نہ داعی کو اس کا خیال ہوتا ہے کہ میری نیت درست ہے یا نہیں۔

رہا قرض وغیرہ اس کے لیے تو ہندی مثل مشہور ہے کہ چڑھ جا بیٹے سولی پر خدا بھلی کرے گا۔ بے دھڑک قرض لیتے ہیں اور یہ سوچ لیا ہے کہ اولاد بعد میں خود ادا کردے گی ہمیں اس کی فکر کی ضرورت نہیں۔ صاحبو اگر آپ کے باپ دادا بھی یہی سمجھ لیتے تو آج آپ کو ان کی متروکہ جائیداد میں یہ گلچھڑے اڑانے کا موقع نہ ملتا نہ آپ کو اس ناموری کا وسوسہ آتا ساری جائیداد ان کے قرضہ میں نیلام ہوگئی ہوتی۔ پس افسوس ہے آپ کے باپ دادا نے تو اپنا خون پسینہ ایک کرکے یہ جائیداد آپ کی راحت و آسائش کے لیے چھوڑی تھی اور آپ ایسے ظالم نکلے کہ آپ کو اپنے اہل وعیال کی راحت کا ذرا خیال نہیں کہ وہ آپ کے بعد کیسے پریشان ہوں گے۔ جبکہ ساری زمین وجائیداد قرضہ میں نیلام ہوجائے گی کیا اہل وعیال کا آپ پر کچھ بھی حق نہیں۔

---

(۱) سنن ابی داؤد ۳۷۵۴، مستدرک حکم ۴:۱۲۹۔ سنن ابی داؤد ۴۰۹۱، سنن الترمذی ۱۹۹۸ (۲) فخر کے لیے کھلانا ہے۔

تہائی مال میں وصیت کی اجازت

حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے ایک بار تشریف لے گئے وہ سخت بیمار تھے کہ اپنی زندگی سے مایوس تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اپنے مال میں خدا کے لیے وصیت کرنا چاہتا ہوں کیا سارے مال کی وصیت کردوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں کچھ اپنے اہل وعیال کے واسطے بھی تو چھوڑ دو انہوں نے نصف مال کی وصیت کا قصد کیا۔ آپ نے اس سے بھی منع فرمایا پھر انہوں نے تہائی مال کی وصیت کرنا چاہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تہائی کی وصیت کی اجازت دی اور فرمایا تہائی بھی بہت ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر تم اپنے اہل وعیال کو خوش حال چھوڑ کر جاؤ تو یہ اس سے بہتر ہے کہ ان کو خالی ہاتھ چھوڑ کر جاؤ کہ وہ دوسروں کے ہاتھ کو تکتے پھریں۔ دیکھئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے واسطے بھی اس طرح وصیت کرنے سے منع فرمایا۔ جس سے اہل وعیال کو تنگی پیش آئے۔ جب نیک کاموں میں خرچ کر کے بھی اہل وعیال کو تنگ کرنا جائز نہیں تو تفاخر اور ناموری میں خرچ کر کے ان کو پریشان کرنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے۔ مگر ہم لوگوں کو اس کا مطلق خیال نہیں بے دھڑک خرچ کرتے ہیں قرض پر قرض چڑھائے چلے جاتے ہیں اور سارا بوجھ اولاد پر ڈال جاتے ہیں۔ کہ بعض دفعہ ان کے پاس رہنے کو مکان بھی نہیں رہتا۔ اناللّٰہ وانا إلیہ راجعون (۱)

نام اور شہرت لاحاصل شئی ہیں

ضلع سہارنپور کے ایک قصبہ میں ایک رئیس نے بڑی بڑھیا دعوت کی تھی جس میں ہزاروں آدمیوں کو مدعو کیا اور بھنگیوں چماروں کو بھی پلاؤ زردہ کھلایا تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ نے ان کو حکیمانہ طور پر نصیحت کی کہ شیخ صاحب آپ نے ہمت سے بھی زیادہ کام کیا، ظاہر میں تو یہ تعریف تھی مگر حقیقت میں ان کی حماقت ظاہر کی تھی کہ تم نے اسراف سے کام لیا۔ اپنی رقم برباد کی اور پھر یہ فرمایا کہ لیکن اس کا افسوس ہے کہ

(۱) ''ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے''۔

آپ نے اس کے عوض وہ چیز خریدی ہے کہ اگر کبھی ضرورت ہو تو کانی کوڑی[1] کی بھی نہیں بک سکتی یعنی نام اور شہرت اور یہ بھی لوگوں کا خیال ہی ہے کہ بڑھیا دعوت سے تعریف ہوتی ہے صرف دو تین دن کچھ تذکرہ رہتا ہے اس کے بعد کوئی نام بھی نہیں لیتا بلکہ بعض دفعہ تو شروع میں بھی تعریف نہیں ہوتی کیونکہ آجکل لوگوں میں حسد کا مرض بہت ہے تعریف کون کرتا ہے بلکہ مذمت[2] کے در پے رہتے ہیں ایک شخص ہزاروں لاکھوں روپے پر پانی پھیر کر دعوت کرتا ہے اور کھانے والوں کی یہ حالت ہے کہ جہاں ذرا سی بات میں کسر رہ گئی انہوں نے اس کو زبان پر لانا شروع کیا اس کا نام بھی کوئی نہیں لیتا کہ اس بیچارہ نے کتنی رقم خرچ کی ذرا کسی مہمان کو حقہ ملنے میں دیر ہوگئی ہو یا پان کچھ دیر تک نہ ملا ہو بس وہ اسی کا رونا روتے ہیں تعریف کبھی نہیں کرتے۔

تفاخر میں خرچ کرنا گناہ ہے

ایک بزرگ سے میں نے حکایت سنی ہے کہ ایک بنئے نے اپنی بیٹی کی شادی میں بڑے زور کی دعوت کی تھی علاوہ انواع واقسام کے کھانوں کے اس نے ہر باراتی کو ایک ایک اشرفی بھی تقسیم کی تھی۔ جب بارات رخصت ہوئی تو بنیے کو خیال ہوا کہ آج ضرور سب باراتی میری تعریف کرتے جائیں گے راستہ میں چل کر سننا چاہیے کیا کیا تعریفیں ہوتی ہیں چنانچہ وہ بارات کے راستہ میں جا کر چھپ کر بیٹھ گیا۔ بس یہ مقصود ہوتا ہے اسراف اور فضول خرچی سے کہ چند باتیں سن کر جی خوش کریں۔ آدمی فربہ شود از راہ گوش (آدمی موٹا ہوتا ہے تعریف سننے سے)۔

مگر افسوس ان لوگوں کو یہ بھی نصیب نہیں ہوتا چنانچہ بہلیاں[3] گزرنا شروع ہوئیں تو وہاں سناٹا تھا کسی نے بھی بنئے کی تعریف نہ کی، اسے بڑا غصہ آیا کہ یہ لوگ نرے نمک حرام ہیں۔ میں نے تو اتنا خرچ کیا اور یہ ایک دو بات بھی میری تعریف میں نہیں کہتے۔ خیر خدا خدا کر کے ایک بہلی سے کچھ آواز آئی۔ ایک گاڑی بان دوسرے

(۱) ایک بے حقیقت سکہ اس کے عوض بھی کوئی نہ خریدے (۲) برائی (۳) بیل گاڑیاں جن پر لوگ سوار تھے۔

گاڑی بان سے کہہ رہا تھا کہ بھائی لالہ جی نے بڑے زور کی شادی کی کہ کھانا تو کھلایا ہی تھا ایک ایک اشرفی بھی دی، تو وہ دوسرا کہتا ہے کہ میاں کیا کیا سسرے کے یہاں اشرفیوں کے صندوق بھرے پڑے ہیں دو دو ہی بانٹ دیتا تو اس کے گھر میں کیا کمی آجاتی، سسرے نے ایک ہی اشرفی دی لیجئے یہ تعریف ہوئی لالہ جی کو بھی حقیقت معلوم ہوگئی کہ ایک تو میں نے روپیہ خرچ کیا اوپر سے گاڑی بان بھی میری بیٹی کو سنگوانے لگا غرض اتنا خرچ کرنے پر بھی لوگوں نے عیب ہی نکالا اور کچھ نہ سہی یہی عیب نکال دیا کہ اس سے زیادہ کیوں نہ کیا اور واقعی یہ عیب تو ایسا ہے ہر شخص میں نکل سکتا ہے کہ اتنا ہی کیوں کیا اس سے زیادہ کیوں نہ کیا کیونکہ زیادہ کی کہیں حد ہی نہیں۔ پس لوگوں کا محض گمان ہی گمان ہے کہ ان فضول خرچیوں سے ہمارا نام ہوتا ہے۔ چند خوشامدیوں کی باتوں سے وہ سب کو ایسا ہی سمجھتے ہیں تحقیق کے بعد معلوم ہوسکتا ہے کہ تعریف کرنے والے کتنے ہیں اور عیب نکالنے والے کتنے۔ پھر اگر تعریف ہوئی تھی تو تم کو کیا مل گیا۔ تعریف کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک ہوا ہے جو منہ سے نکلتی ہے اور بس اس کے لیے روپیہ برباد کرنا سراسر حماقت ہے۔ خصوصاً ایسے لوگوں کو کھلانا جو وقت پر کام بھی نہ آئیں کیونکہ باراتوں میں اکثر ایسے لوگ آتے ہیں جن کی صورت سے بھی آپ آشنا نہیں ہوتے اور پہلے تو کیا آشنا ہوتے بارات آنے کے بعد بھی آپ کو خبر نہیں ہوتی کہ کون کون آیا ہے ان میں زیادہ تر ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ وقت پر آپ سے آنکھیں چرالیں گے مگر باوجود ان سب باتوں کے آجکل مسلمانوں کا روپیہ اس حماقت میں بہت برباد ہورہا ہے پھر افسوس یہ ہے کہ گناہ کرتے ہیں اور اس کو گناہ نہیں سمجھتے ان کو اس کا وہم بھی نہیں ہوتا کہ تفاخر میں خرچ کرنا گناہ ہے حالانکہ یہ ایسی کھلی ہوئی بات ہے جس کا گناہ ہونا ظاہر ہے کیونکہ تفاخر کا منشاء تکبر ہے کہ ہمارا نام ہوگا ہم بڑے آدمی سمجھے جائیں گے اور تکبر ایسا گناہ ہے کہ اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں تمام گناہوں کی جڑ یہی تکبر ہے مولانا فرماتے ہیں۔

علت ابلیس انا خیر بداست ایں مرض در نفس ہر مخلوق ہست (۱)

اسراف اور تفاخر کا منشاء

حدیث مسلم میں ہے لا یدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال حبة من خردل من کبر (۲) غرض ہماری حالت یہ ہے کہ ہم نے خرچ کرنے کو اچھا سمجھ لیا ہے تو اب خرچ کرتے چلے جاتے ہیں اسراف کی بھی پرواہ نہیں کرتے حالانکہ خرچ کی شریعت میں ایک حد ہے۔ جس سے آگے بڑھنا اسراف ہے اور اسراف کی سخت ممانعت ہے بلکہ اس پر اتنی سخت وعید ہے کہ مسرف کو شیطان کا بھائی فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین و کان الشیطان لربه کفورا (۳) اور اس میں راز وہی ہے جو میں نے ابھی بتلایا ہے کہ اسراف (۴) کا منشا تفاخر (۵) ہے اور تفاخر کا منشا کبر ہے اور تکبر علت ابلیس ہے۔

مردودیت شیطان کا سبب

شیطان کے مردود ہونے کا سبب یہی تھا کہ اس نے اپنے کو آدمؑ سے افضل سمجھا اس لیے باوجود حکم خداوندی کے سجدہ آدم سے انکار کیا یہ تو خرچ کرنے میں ہماری حالت ہے اس کے مقابل بعض لوگوں نے کفایت شعاری کا سبق پڑھا ہے، بعض لوگوں نے کسی سے یہ سن لیا تھا کہ کفایت شعاری اچھی چیز ہے۔ بس اب وہ ایسے کفایت شعار بنے کہ بالکل ہی ہاتھ روک لیا۔ بیوی بچوں کو تنگ رکھتے ہیں، ضروریات میں خرچ نہیں کرتے دین کے کاموں میں بھی خرچ نہ کرنے کے لیے بہانے ڈھونڈتے ہیں پیسہ پیسہ پر جان دیتے ہیں یہ بھی حد سے تجاوز ہے۔

---

(۱) ''ابلیس کی علت یہی انائیت تو تھی اور یہ مرض ہر شخص کے اندر کم وبیش موجود ہے'' (۲) ''جس کے دل میں رائی برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا'' سنن ابی داوٗد:۴۰۹۱، سنن الترمذی:۱۹۹۸ (۳) ''تحقیق فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے'' (۴) فضول خرچی (۵) فخر و تکبر۔

انفاق میں ضروریات اعتدال

شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ انسان کو جب خدا دے تو خود بھی آرام سے رہے اور اہل وعیال کو بھی آرام سے رکھے مگر ہمارے کاموں کے کوئی اصول نہیں ہم جس کام کو اچھا سمجھتے ہیں اس کے ہر درجہ کو اور ہر موقع کو اچھا سمجھتے ہیں حالانکہ یہ غلطی ہے۔ خرچ کرنا مطلقاً اچھا نہیں بلکہ اچھا بھی ہے اور برا بھی۔ اسی طرح خرچ نہ کرنا مطلقاً برا نہیں بلکہ برا بھی اور اچھا بھی۔ اب یہ سمجھنا کہ کس موقع پر خرچ کرنا اچھا نہیں اور کتنا خرچ کرنا چاہیئے کتنا نہ چاہیے یہی رعایت حدود ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں: وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا (۱) دوسری جگہ فرماتے ہیں: وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا (۲) اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ نہ انفاق مطلقاً محمود ہے نہ اقتار (۳) بلکہ دونوں میں اعتدال مطلوب ہے جس کی تفصیل فقہاء کے کلام میں ملتی ہے۔ فضول خرچی یہ ہے کہ معصیت میں خرچ کیا جائے اسراف میں صرف رنڈی بھڑوں میں خرچ کرنا ہی داخل نہیں بلکہ تفاخر اور ناموری کے لیے خرچ کرنا بھی معصیت (۴) کی فرد ہے اس طرح مباحات میں بلا ضرورت اپنی استطاعت (۵) سے زیادہ خرچ کرنا بھی اسراف میں داخل ہے اسی طرح طاعات ضروریہ میں استطاعت سے زیادہ صرف کرنا جس کا انجام اخیر میں بے صبری اور حرص وبدنیتی ہو یہ بھی اسراف ہے کیونکہ حرص وبدنیتی اور بے صبری یہ امور معصیت ہیں (۶) اور اس کا سبب ہوا استطاعت سے زیادہ صرف کرنا اور مفضی الی المعصیت (گناہ کی طرف پہنچانے والا) بھی معصیت ہوتا ہے لہٰذا یہ انفاق معصیت ہوا (۷)۔

(۱) ''نہ اپنے ہاتھ کو گردن سے باندھ لو (کچھ خرچ ہی نہ کرو) اور نہ پوری طرح کھول دو پھر تم نشانہ ملامت ہو جاؤ گے (یعنی بخل کی صورت میں) اور مفلس کنگال ہو جاؤ گے (اسراف کی صورت میں) سورۃ الاسراء: ۲۹
(۲) ''اور (وہ نیک بندے) جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اس کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے'' سورۃ الفرقان: ۶۷ (۳) نہ خرچ کرنا مطلقا پسندیدہ نہ نہ خرچ کرنا (۴) گناہ کی ایک قسم ہے (۵) اپنی قدرت سے زائد (۶) گناہ (۷) ایسا خرچ کرنا گناہ ہوا۔

خلاصہ یہ کہ معصیت میں خرچ کرنا تو مطلقاً اسراف ہے اور طاعات ضروریہ میں بالکل خرچ نہ کیا جائے یا حکم شرعی سے کم ادا کیا جائے۔ اسی طرح مستحبات ومباحات میں اتنی تنگی کی جائے جس سے اپنے کو یا اہل وعیال کو تکلیف ہو یہ بھی ناجائز ہے۔

ہر کام میں تعین حدود کا منشاء

حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں خستہ حالی(۱) کے ساتھ آیا آپ کو اس کی حالت دیکھ کر رنج ہوا بعد میں معلوم ہوا کہ یہ تو خوش حال آدمی ہے تو آپ نے فرمایا لیری اثر النعمة علیك او کما قال یعنی خدا کی نعمت کا اثر تمہارے اوپر ظاہر ہونا چاہیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مباحات میں اتنی تنگی کرنا جس سے دوسروں کو یہ گمان ہو کہ اس کے پاس کچھ نہیں بیچارہ پر فاقے گزرتے ہوں گے ناجائز ہے کیونکہ اس میں نعمت الٰہی کی ناشکری ہے نیز خواہ مخواہ اپنے کو بلا وجہ نظروں سے ذلیل کرنا ہے اور جو کوئی ذلیل بھی نہ سمجھے تو اس کا دل دکھے گا بلا وجہ مسلمانوں کا دل دکھانا بھی برا ہے۔ صاحبو اس تفصیل سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ شریعت نے جو ہر کام کی حدود مقرر کی ہیں اس سے مقصود یہ ہے کہ آپ راحت کے ساتھ زندگی بسر کریں گے تکلیف نہ برداشت کریں اس لیے اتنا خرچ کرنے کی بھی ممانعت ہے جس کا انجام کلفت ہو(۲) اور اتنی کفایت شعاری کی بھی ممانعت ہے جس سے اپنے کو یا اہل وعیال کو تکلیف ہو۔ افسوس اب بھی لوگ شریعت کی قدر نہیں کرتے غرض خرچ کی بھی ایک حد ہے۔ اور کفایت شعاری کی بھی ایک حد ہے۔ ان حدود سے باہر قدم رکھنا ہمیشہ موجب کلفت ہے اور جو گناہ ہوا وہ الگ۔ یہ تو خرچ کے متعلق ہماری حالت تھی اب دوسری باتوں کو بھی دیکھ لیا جائے اگر کسی نے بولنے کو اچھا سمجھا ہے تو اس کے بولنے کی کوئی حد نہیں جب باتیں کرنے پر آئیں گے تو گھنٹوں بولتے چلے جائیں گے نہ غیبت کی پرواہ ہے نہ شکایت کی نہ اس کا خیال ہے کہ ہمارے منہ سے بعض باتیں بے تحقیق نکل رہی ہیں نہ اس کا خیال کہ

(۱) پھٹے حالی (۲) پریشانی۔

بعض باتوں میں ہم خود اپنی مدح کر رہے ہے اگر ترک کلام کو اختیار کیا تو بس گم سم بنے بیٹھے ہیں اگر کسی سے بات بھی کریں گے تو ادھوری اس کی پرواہی نہیں کہ بات گول مول رہ جاتی ہے جس سے دوسرے کو تکلیف ہوگی۔ اگر کسی نے کھانے کو اچھا سمجھا تو وہ ہر وقت کھانے کی ہی فکر میں ہے لذیذ اور عمدہ غذاؤں میں منہمک ہے اس کی پرواہ نہیں کہ یہ حلال ذریعہ سے حاصل ہوا یا حرام طریقہ سے بس جو آیا کھانے سے کام ہے کوئی دو وقت کھاتا ہے تو یہ حضرت چار وقت پر بھی بس نہیں کرتے چاہے ہضم ہو یا نہ ہو ان کا گلا ہر وقت چلنا چاہیے اور اگر تقلیل (۱) غذا کو اچھا سمجھا تو اس میں حد سے بڑھ گئے دو وقت کی جگہ ایک وقت کھانے لگے چاہے دماغ خشک (۲) ہوجائے بدن ضعیف ہوجائے مگر یہ ایک وقت سے زیادہ کھانا جانتے ہی نہیں پھر اسی پر بس نہیں بلکہ لوگوں کی برائی کرتے ہیں جو اعتدال کے ساتھ دو وقت کھانا کھاتے ہیں جب بیٹھیں گے کم کھانے کے فضائل بیان کریں گے جس میں در پردہ اپنی تعریف مقصود ہوگی بس ہمارا یہ حال ہے۔

چوں گر سنہ می شوی سگ می شوی　　چونکہ خوردی تندو بدرگ می شوی (۳)

غرض ہمارے کسی کام کی بھی حد مقرر نہیں جو کام ہے حد سے باہر ہے صاحبو نماز سے بہتر کیا چیز ہے اگر حدود نہ ہوں تو اس کی کوئی حد نہ ہونی چاہیے تھی بس یہ حکم دیدیا جاتا کہ جتنی چاہو نماز پڑھتے رہو اور جب چاہو پڑھ لو حالانکہ ایسا نہیں۔

اوقات مکروہ نماز

چنانچہ طلوع فجر کے بعد فرض ادا ہونے تک دو سنتوں سے زیادہ نفل نماز مکروہ ہے۔ اور فجر و عصر کے فرضوں کے بعد بھی طلوع و غروب تک نفلیں مکروہ ہیں اور عین طلوع وغروب واستواء کے وقت تو کوئی نماز بھی جائز نہیں نہ فرض نہ نفل بجز اسی دن کی عصر کے اور وہ بھی کراہت کے ساتھ پھر ہر نماز فرض کا وقت مقرر ہے یہ نہیں کہ ظہر کی نماز عصر کے وقت پڑھ لو عصر کی مغرب کے وقت۔

(۱) کم کھانے کو (۲) دماغ میں خشکی ہوجائے (۳) ''جب بھوکا ہوتا ہے تو کتے کی مانند ہوتا ہے اور جب شکم سیر ہوتا ہے تو بدمزاج اور بدزبان ہوجاتا ہے''۔

روزہ کی حدود

اسی طرح روزہ کیسی عمدہ عبادت ہے مگر اس کے واسطے بھی حدود ہیں یہ نہیں کہ جب چاہو روزہ رکھ لو سال بھر میں بعض ایام ایسے بھی ہیں جن میں روزہ رکھنا حرام ہے یعنی عید کے دن اور بقرعید کے دن اور ایام تشریق میں روزہ مکروہ تحریمی ہے۔

حج کی حدود

حج کیسی اچھی عبادت ہے مگر اس کے واسطے بھی حدود ہیں عرفات میں جانے کا خاص دن مقرر ہے، منیٰ میں آنے کا خاص دن معین ہے ان تاریخوں کے بغیر حج نہیں ہوسکتا اگر یہ حدود نہ ہوتے تو جب چاہتے حج کر لیتے مگر اب اگر عرفات کا دن نکل جائے تو سال بھر تک حج نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح احرام باندھنے کے مہینے مقرر ہیں۔ اشہر حج سے تقدیم احرام مکروہ ہے اشہر حج شوال سے شروع ہوتے ہیں گو ان سب میں حج نہیں ہوتا حج صرف ذی الحجہ کی بعض تاریخوں میں ہوتا ہے لیکن ان مہینوں میں احرام باندھنے کی اجازت ہے ان سے پہلے احرام باندھنا مکروہ ہے۔ پس یہ مہینے چونکہ محل احرام ہیں اور احرام شرط حج ہے۔ اس لیے ان سب کو اشہر حج کہا جاتا ہے۔ غور کیجئے ان اعمال سے بڑھ کر کونسا عمل ہوگا مگر ان سب کی حدود ہیں۔

حدود معاملات

اسی طرح معاملات کو دیکھ لیا جائے ان میں بھی حدود ہیں نکاح کی بھی ایک حد ہے کہ چار بیبیوں سے زیادہ کی اجازت نہیں۔ اسی طرح ہر عورت سے نکاح جائز نہیں بلکہ بعض حلال ہیں بعض حرام بہت سی عورتیں نسب کی وجہ سے حرام ہیں بعض رضاع کی وجہ سے بعض مصاہرت کی وجہ سے۔

بیع وشراء(۱) کے لیے بھی حدود ہیں بعض صورتیں ربوا(۲) میں داخل ہیں بعض صورتیں بیوع فاسدہ(۳) ہیں بعض صورتیں بیوع باطلہ ہیں۔

حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں جابجا احکام کو ذکر فرما کر اکثر موقعہ پر تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا (۴) فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ تمام احکام شرعیہ حدود ہی ہیں چنانچہ ارشاد فرمایا ہے طلاق کے مسائل کے بعد فرمایا: تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا۔

شریعت میں رعایت حدود کا حکم

گویا تمام شریعت میں حدود ہی حدود ہیں ان کو مہمل سمجھنا کتنی بڑی غلطی ہے مگر آجکل اس میں ابتلاء عام ہو رہا ہے لوگ عام طور پر کاموں میں حدود کی رعایت نہیں کرتے اس لیے ضرورت ہے کہ اس مبحث پر قدرے گفتگو کی جائے۔ اور احکام کی حدود سے لوگوں کو مطلع کیا جائے۔ چنانچہ اس آیت میں بھی جس کو میں نے ابھی تلاوت کیا ہے حق تعالیٰ نے بعض احکام بیان فرما کر تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ (یہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود ہیں) فرمایا ہے مجھے اس آیت میں اخیر کا حصہ مقصود ہے۔ پہلا حصہ مقصود نہیں شاید آپ کو پوری آیت سن کر تعجب ہوا ہوگا کہ طلاق کے ذکر کو اس مقام سے کیا مناسبت۔ مگر میں نے پوری آیت کو تبرکاً پڑھ دیا ہے مقصود اخیر کا حصہ ہے۔ کیونکہ اس میں رعایت حدود کی تاکید مخصوص طور پر مذکور ہے جو دوسرے مقام پر نہیں۔

احکام طلاق کی حدود میں حکمت

حق تعالیٰ نے اس جگہ اول طلاق کے احکام بیان فرمائے ہیں اس کے بعد ارشاد ہے وَتِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ ۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ (۵) ظلم اخروی تو ظاہر ہے کہ تعدی حدود(۶) سے گناہ ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ آخرت میں بہت

(۱) خرید وفروخت (۲) سود (۳) بعض صورتوں میں بیع فاسد ہوتی ہے اور بعض میں بیع باطل (۴) ''یہ اللہ کے مقرر کردہ حدود ہیں پس ان سے تجاوز نہ کرو'' سورۃ البقرہ:۲۲۹ (۵) ''یہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود ہیں ان کے پاس بھی نہ جاؤ'' سورۃ البقرہ:۱۸۷ (۶) حد سے تجاوز کرنے میں گناہ ہوتا ہے۔

سخت ہے تو یہ شخص اپنے ہاتھوں مصیبت آخرت کو خریدتا ہے مگر تعدی حدود میں اپنے نفس پر ظلم دنیوی بھی ہے کیونکہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ان حدود کے مقرر کرنے سے یہ بھی مقصود ہے کہ لوگ راحت سے زندگی بسر کریں تو ان سے تعدی کرنے میں دنیوی پریشانی بھی ضرور لاحق ہوتی ہے۔لہٰذا اس میں اپنے نفس پر ظلم دنیوی بھی ہے۔آگے فرماتے ہیں لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا (۱) یہ حکمت ہے ان حدود کی جو طلاق کے متعلق اس جگہ ذکر کئے گئے ہیں اور یہی وہ مضمون ہے جو اس مقام میں خاص طور پر مذکور ہے۔دوسرے مقام پر مذکور نہیں لاتدری (تم نہیں جانتے) میں خطاب بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے لیکن حقیقت میں خطاب امت کو ہے جیسے يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ (۲) میں اول ندا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے اور آگے طلقم صیغہ جمع کا ہے جس کے مخاطب سب ہیں اور نکتہ اس میں یہ ہے کہ بتلادیا گیا کہ امت اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایسا تعلق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ندا کرنا گویا امت کو ندا کرنا ہے۔اسی طرح لاتدری (تم نہیں جانتے) گو خطاب بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے لیکن واقع میں یہ خطاب عام ہے اور اس میں بھی وہی نکتہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امت میں ایسا تعلق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کرنا گویا امت کو خطاب کرنا ہے۔

حق تعالیٰ کے ذمہ علت احکام بیان کرنا نہیں

الغرض لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا (۳) ''تم نہیں جانتے ممکن ہے کہ حق تعالیٰ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کردیں'' میں ایک حکمت کی طرف اشارہ ہے اور گو حق تعالیٰ کے ذمہ حکمت کا بیان کرنا نہیں ہے کیونکہ ہمارے میں اور حق تعالیٰ میں حاکم ومحکوم کا علاقہ ہے (۴)۔ برابری کا علاقہ نہیں اور حکمت بیان کرنا دوستوں اور بھائیوں میں مناسب ہوتا ہے کیونکہ وہاں حکومت نہیں ہے۔ پس دوستوں

(۱) ''تم نہیں جانتے ممکن ہے حق تعالیٰ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کردیں'' سورۃ الطلاق: ۱ (۲) ''اے نبی جب تم عورتوں کو طلاق دو'' سورۃ الطلاق ۱۔ (۳) ''تم نہیں جانتے ممکن ہے کہ حق تعالیٰ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کردیں'' سورۃ الطلاق: ۱ (۴) کا تعلق ہے۔

اور بھائیوں سے جب کوئی کام لینا ہو وہاں احکام کی حکمت بتلانا ضروری ہے لیکن حکام وقت اپنے احکام میں حکمتیں نہیں بیان کرتے وہ اپنی حکومت کی بناء پر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کو حکمتیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ بس جو نہ مانے گا مجرم ہوگا اور سزا بھگتے گا۔

اسی قاعدہ پر حق تعالیٰ کے ذمہ بھی حکمتیں بیان کرنا نہیں ہے۔ لیکن ان کی رحمت نہایت درجہ ہے وہ چاہتے ہیں کہ سامعین کی اصلاح ہو ہی جاوے۔ کیونکہ بعضے ایسے بھی ہیں جو بدون حکمت کے ویسے احکام کو نہ مانیں گے اس لیے کہیں کہیں انہوں نے احکام کی حکمت بھی بیان کردی ہے مگر بعض جگہ نہیں بھی بیان کی تا کہ سامعین کو حکمت معلوم کرنے کی عادت نہ ہو جاوے اور کسی جگہ حکمت غامض (۱) ہوتی ہے جس کو ہر شخص نہ سمجھ سکے گا اور عادت پڑ گئی ہے حکمت سن کر عمل کرنے کی تو وہ عمل بھی نہ کرے گا اور گنہگار ہوگا اس لیے خدا تعالیٰ نے نہ تو ہر جگہ حکمت بیان کی نہ یہ کہ کہیں بھی ذکر نہ ہو۔

تفسیر آیت متلوہ (۲)

اب پوری آیت کی تفسیر سنئے اس سے حکمت کی حقیقت واضح ہو جائے گی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ (۳) یہاں سب کے نزدیک حسب روایت لعدتھن کے معنی فی قبل عدتھن (ان کی عدت سے پہلے) ہیں پھر قبل کے معنی میں حنفیہ و شافعیہ کا اختلاف ہے۔ حنفیہ کے نزدیک عدت حیض سے شمار ہوتی ہے تو ان کے نزدیک قبل کے معنی استقبال و آمد کے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ حیض آنے سے پہلے یعنی طہر میں طلاق دو۔ اور شافعیہ کے نزدیک عدت طہر سے ہے ان کے نزدیک قبل کے معنی ابتداء کے ہیں یعنی زمانہ عدت کے شروع میں طلاق دو۔ اس کا حاصل بھی وہی ہوا کہ طلاق طہر (۴) میں ہونی چاہیے لیکن جس طہر میں طلاق دی جائے گی حنفیہ کے نزدیک وہ عدت میں شمار نہ ہوگا۔ بلکہ عدت حیض سے شمار ہوگی اور

(۱) کسی جگہ حکمت ایسی ہوتی ہے جو ہر ایک کی سمجھ میں نہیں آسکتی (۲) تلاوت کردہ آیت کی تفسیر (۳) ''اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کو زمانہ عدت سے پہلے طلاق دو'' سورۃ الطلاق: ۱ (۴) وہ زمانہ جس میں حیض نہ آئے۔

شافعیہ کے نزدیک وہ طہر بھی عدت میں شمار ہوگا۔ کتب اصول میں فریقین کے دلائل مذکور ہیں اس وقت میں ان کو بیان کرنا نہیں چاہتا۔ آگے فرماتے ہیں واحصوا العدۃ یعنی طلاق دینے کے بعد تم عدت کو یاد رکھو واتقوا اللّٰہ ربکم۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ جو تمہارا رب ہے یعنی طلاق کے متعلق جو خدا کے احکام ہیں ان کے خلاف نہ کرو۔ مثلاً یہ کہ حدیث میں تین طلاق دفعۃ[۱] دینے کی ممانعت ہے تو ایسا نہ کرو اور حیض میں طلاق مت دو وغیرہ وغیرہ۔

اور ایک حکم آگے مذکور ہے لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّآ أَن يَأْتِينَ بِفَـٰحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۔یعنی عدت میں ان مطلقہ عورتوں کو ان کے رہنے کے گھروں سے مت نکالو اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں مگر ہاں کوئی کھلی بے حیائی کریں تو اور بات ہے مثلا بدکاری یا سرقہ کی مرتکب ہوں اس صورت میں سزا کے لیے گھر سے نکالی جاویں یا بقول بعض علماء کے وہ زبان درازی اور ہر وقت کا رنج وتکرار رکھتی ہوں تو ان کو نکال دینا اور باپ کے گھر بھیج دینا جائز ہے۔

وَتِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ ۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُۥ یہ سب خدا کے مقرر کئے ہوئے حدود ہیں اور جو شخص حدود خداوندی سے تجاوز کرے گا (مثلاً تین طلاقیں دفعۃً دیدیں یا طلاق کے بعد عورت کو گھر سے نکال دیا) تو اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ (یعنی گنہگار ہوا آگے طلاق دینے والے کو ترغیب دیتے ہیں کہ طلاق میں رجعی بہتر ہے طلاق مغلظہ[۲] نہ دینی چاہیے فرماتے ہیں۔ لَا تَدْرِى لَعَلَّ ٱللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا اے طلاق دینے والے تجھ کو خبر نہیں شاید اللہ تعالیٰ اس طلاق کے بعد کوئی نئی بات تیرے دل میں پیدا کردے۔ مثلاً طلاق پر ندامت ہو تو رجعی طلاق میں اس کا تدارک تو ہوسکے گا۔

---

(۱) ایک دم تین طلاق دینے سے منع کیا گیا ہے۔ لیکن اگر کوئی دیدے تو طلاق ہوجاتی ہے (۲) تین طلاق۔

لاتدری کی توجیہ

مفسرین نے لاتدری الخ کی توجیہ میں اختلاف کیا ہے بعض نے یہ کہا ہے کہ ایک طلاق دینی چاہیے تین نہ دینی چاہئیں۔ اور ایک توجیہ یہ کہ تین دفعۃً مت دو۔ اگر تین ہی دینی ہوں تو ایک طہر میں ایک طلاق پھر دوسرے طہر میں دوسری طلاق متفرقاً دینی چاہئیں۔ مجھے سب توجیہوں کا بیان کرنا مقصود نہیں صرف یہ بتلانا ہے کہ اس جگہ طلاق کی حد مذکور ہے کہ ایک وقت میں ایک دینی چاہیے ایک دم سے تین نہ دینی چاہئیں اور اس کی حکمت یہ بتلائی ہے کہ تم کو کیا معلوم ہے کہ اس کے بعد تمہارے دل میں کیا بات پیدا ہو تو ایک طلاق دینے میں یا تین متفرقاً دینے میں مصالح ومنافع کی رعایت ہے اور تین دفعۃ دینے میں معاملہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ پھر اگر ندامت ہو تو سوائے حسرت کے کچھ نہیں ہوسکتا۔ آجکل لوگوں کو تین طلاقیں دینے کا بہت شوق ہے بعض لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ ایک یا دو سے طلاق ہی نہیں ہوتی اس کا منشاء جہل بالاحکام ہے اور بعض جانتے ہیں کہ ایک یا دو سے بھی طلاق ہوجاتی ہے مگر وہ تین اس واسطے دیتے ہیں کہ عورت اس سے مری رہے گی۔

نکاح ایک طلاق سے بھی مرجاتا ہے

صاحبو! نکاح تو ایک طلاق سے بھی مرجاتا ہے ہاں اس صورت میں سسک سسک کر مرتا ہے کہ عدت کے بعد ٹوٹتا ہے اور تین میں اسی وقت مرجاتا ہے تو بعض لوگ عورت کو ستانے کے لیے تین طلاق دیتے ہیں کہ اس کو رجعت کی امید کیوں دلائی جائے اور بعض یہ سمجھتے ہیں کہ شاید ایک طلاق کے بعد کہیں ہماری ہی رائے نہ بدل جاوے اور اس کا رکھنا منظور نہیں اس لیے تین ہی دیدیتے ہیں۔ ان کی حالت بہت افسوس ناک ہے کہ خدا نے ان کو عقل اور سمجھ دی تھی مگر یہ اس سے کام نہیں لیتے ان سے کوئی پوچھے کہ اگر بعد میں تمہاری رائے بدل گئی اور اس کو اپنے پاس رکھنا چاہا تو اس کی گنجائش رکھنے میں تمہارا کیا حرج ہے عقل کی بات تو یہ ہے کہ انسان جب کوئی کام کرے تو اس کے تمام

پہلوؤں کی رعایت کرلے خصوصاً طلاق اکثر غصہ میں ہوا کرتی ہے اس میں گنجائش رکھنا اور سمجھ کر کام کرنا بہت ہی ضروری ہے کیونکہ بعض دفعہ عورت سے محبت ہوتی ہے لیکن اتفاقاً ناگواری پیش آگئی ایسی حالت میں تین طلاق دینا اپنے کو سخت پریشان کرنا ہے۔ جب دل میں اس کی محبت ہے تو جدائی میں کلفت ہوگی۔ اور اگر ہمت سے کام لیا تو ارتکاب حرام کا بھی اندیشہ ہے۔ بعض دفعہ عورت سے محبت نہیں ہوتی مگر اس سے اولاد ہوچکی ہے تین طلاق دینے کے بعد جب اولاد کی ویرانی اور پریشانی کا خیال ہوتا ہے تو سوائے حسرت وندامت کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اگر اولاد کو اس سے جدا کیا جائے تو مرد سے ان کی تربیت اور دیکھ بھال دشوار ہے اگر جدا نہ کیا جائے اور اسی کے پاس رکھا جائے تو اولاد کو ماں سے زیادہ ہمدردی ہوگی، باپ کی خاک بھی وقعت ان کے دلوں میں نہ ہوگی۔ بلکہ اس کو اپنا دشمن سمجھیں گے کہ اس نے ہماری ماں کو گھر سے نکال دیا۔

بعض دفعہ طلاق کے بعد اس شخص کو دوسری بیوی نہیں ملتی اور طلاق دینے والوں کو اکثر نہیں ملتی، خاندان میں بدنام ہوجاتا ہے کہ اس کو کون لڑکی دے یہ تو ظالم ہے طلاق دیدیتا ہے پھر یا تو صبر سے کام لینا پڑتا ہے اور ایسے بہت کم ہیں یا رنڈیوں اور لڑکوں سے خراب خستہ ہوتے ہیں جس میں دنیا کی بھی ذلت آخرت کی بھی بربادی اور گھر تباہ ہوا وہ الگ کیونکہ عورت کے بغیر گھر کا انتظام نہیں ہوسکتا تجربہ کرلیا جائے۔ ان واقعات کی بناء پر شریعت نے طلاق کے لیے بہت حدود مقرر کی ہیں۔ اول تو یہ حکم ہے کہ طلاق کو جہاں تک ٹال سکو ٹالو۔ دوسری تدبیروں سے کام لو۔ طلاق مت دو چنانچہ فقہی مسئلہ ہے۔ ابغض المباحات عند اللّٰہ الطلاق (۱) اور یہ مضمون ایک حدیث کا بھی ہے جس کا مرسل ہونا صحیح ہے اور رفع ضعیف ہے۔ کذافی المقاصد الحسنۃ للسخاوی ۱۲ جامع (۲)

---

(۱) ''مباحات میں مبغوض قبر (جائز کاموں میں سب سے ناپسندیدہ کام) اللہ کے نزدیک طلاق ہے''، تلخیص الحبیر لابن حجر ۳:۲۰۵ (۲) ''جیسا کہ سخاوی کی کتاب مقاصد حسنہ میں مذکور ہے''۔

عورتوں سے مساویانہ سلوک نہ کرنے کا حکم

نیز حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۚ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۚ (۱)

خلاصہ یہ کہ اگر تم دو باتوں کی رعایت کرو تو شائستہ اور نیک عورتیں تو فوراً تمہاری تابعدار ہوجائیں گی ایک یہ کہ تم حاکم بن کر رہو، برابری اور غلامی کے ساتھ نہ رہو۔ کیونکہ جو شخص ابتداء میں عورتوں کے ساتھ برابری کا برتاؤ کرتا ہے یا ان کی غلامی اختیار کرتا ہے تو پھر وہ ساری عمر اسی برتاؤ کی منتظر رہتی ہیں لہٰذا تم کو اول ہی سے ایسا برتاؤ کرنا چاہیے جیسا کہ حاکم محکوم سے کرتا ہے۔

دوسرے تم ان کے ساتھ مالی احسانات کرو مثلاً مہر کی ادائیگی میں جلدی کرو۔ نفقہ اور کپڑے میں تنگی نہ کرو۔ ان کی دلداری اور دل جوئی کا خیال رکھو اس برتاؤ کی خاصیت ہے کہ شریفوں کے دل کو مسخر کرلیتا ہے۔ ہاں اگر کوئی بہت ہی بدطینت عورت ہو وہ ممکن ہے کہ اس برتاؤ سے مسخر نہ ہو(۲) اس کے لیے آگے دوسری تدبیر بتلاتے ہیں کہ اگر کوئی عورت بددماغ ہے تو اس کو بھی طلاق دینے کی ضرورت نہیں بلکہ حکمت اور تدبیر سے کام لو۔

بدطینت عورت کا طریق تنبیہ

وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ

(۱) ''مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر (قدرتی) فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال (عورتوں) پر خرچ کئے ہیں (اس میں بتلادیا گیا کہ عورتیں تمہارے قبضہ میں ہیں ان کی اصلاح کچھ مشکل نہیں، طلاق کی کیا ضرورت ہے اول تو خدا نے تم کو قدرتی طور پر عورتوں کا حاکم بنایا ہے، دوسرے تم ان پر مالی احسانات کرتے ہو) تو جو عورتیں نیک اور لائق ہیں مرد کی عدم موجودگی میں بھی بحفاظت وتوفیق الٰہ (اس کی آبرو اور مال کی) نگہداشت کرتی ہیں'' سورۃ النساء: ۳۴۲۱)(۲) تابع۔

وَاضْرِبُوْهُنَّ (۱) حدیث میں اس کی تفسیر آئی ہے ضرباً غیر مبرح کہ ایسا مارو جس سے ہڈی پر صدمہ نہ پہنچے، خون نہ نکلے، سبحان اللہ کیسی حدود ہیں) فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا (۲) إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا (۳)

یہ عجیب مراقبہ بتلایا گیا یعنی اگر تم عورتوں پر زیادتی کرنے کے لیے بہانے ڈھونڈو گے تو یہ سمجھ لو کہ تمہارے اوپر بھی ایک حاکم ہے وہ کون خدا تعالیٰ۔ ان کے حقوق اور علم وقدرت سب سے زیادہ ہیں۔ اگر وہ بھی تمہارے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرنے لگیں اور تم کو مجرم بنانے کے لیے تو بہانے ڈھونڈھنے کی بھی ضرورت نہیں واقعی جرائم بے انتہا ہیں تو تمہارا کہاں پتہ رہے۔ پس تم کو اپنے محکوموں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرنا چاہیے جو حق تعالیٰ تمہارے ساتھ کرتے ہیں کہ باوجود تمہاری نافرمانی کے توبہ واستغفار کے بعد سب معاف کردیتے ہیں۔ اور پچھلے گناہوں کا کچھ اثر نہیں رکھتے نیز چھوٹی چھوٹی خطاؤں کو ویسے ہی معاف کرتے رہتے ہیں چنانچہ وضو اور نماز جماعت وغیرہ سے گناہ صغیرہ معاف ہوتے رہتے ہیں۔

طلاق سے قبل ضرورت پنچ

اگر اس سے بھی کسی عورت کو تنبیہ نہ ہو تو اس کے لیے کیا عجیب بات بیان فرماتے ہیں۔ وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا (۴) اس میں خطاب زوجین کو نہیں ہے بلکہ اوپر والے آدمیوں کو خطاب ہے کہ اگر قرائن سے تم کو ان دونوں میاں بیوی میں (ایسی) کشاکش کا اندیشہ ہو (جس کو وہ

(۱) ’’اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو (قرائن سے) ان کی بد دماغی کا احتمال (قوی) ہو (محض گمان اور خیال ہی نہ ہو) تو ان کو (اول) زبانی نصیحت کرو اور (اگر اس سے نہ مانیں تو) ان کو خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو (یعنی ان کے پاس مت لیٹو اس کا بھی عورت پر بہت اثر ہوتا ہے) اور اس سے بھی نہ مانیں تو) ان کو (اعتدال سے مارو)‘‘ سورۃ النساء: ۳۴ (۲) ’’پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو ان پر (زیادتی کرنے کے لیے) بہانہ (اور موقعہ) مت ڈھونڈو‘‘ سورۃ النساء: ۳۴ (۳) ’’کیونکہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی رفعت وعظمت والے ہیں‘‘ سورل النساء: ۳۴ (۴) سورۃ النساء: ۳۵۔

باہم نہ سلجھا سکیں) توتم لوگ ایک ایسا آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی ایسا ہی عورت کے خاندان سے (تجویز کر کے اس کشاکش کے رفع کرنے کے لیے ان کے پاس بھیجو (کہ وہ جا کر تحقیق حال کریں اور جو بے راہی پر ہو اس کو سمجھا دیں۔ دیکھئے یہ کیسی اچھی ترکیب ہے کہ جب تک زوجین اپنے معاملہ کو خود سلجھا سکیں اس وقت تک خود سلجھانے کی کوشش کریں۔ اور جب ان سے سلجھ نہ سکے تو کسی کو حکم مقرر کریں کیونکہ اپنا معاملہ فریقین سے طے نہیں ہوسکتا اس لیے پنچ کی ضرورت ہوئی۔

آگے حق تعالیٰ ان پنچوں کی بابت ارشاد فرماتے ہیں۔ ان یریدا اصلاحا یوفق اللّٰہ بینھما۔ اگر ان دونوں پنچوں میں اصلاح منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان دونوں زن و شوہر کو اصلاح کی توفیق دیدیں گے اس میں اپنی اعانت کا وعدہ ہے کہ اس صورت میں ہم بھی معاملہ کے سلجھنے میں امداد کریں گے۔ مگر اس کے لیے ایک شرط ہے وہ یہ کہ اگر ان دونوں پنچوں کو سچے دل سے اصلاح معاملہ منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ اُن میاں بی بی میں اتفاق پیدا کریں گے (بشرطیکہ وہ ان دونوں کی رائے پر بھی عمل کریں اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا [(۱)] یعنی جس طریق سے زوجین میں باہم مصالحت ہوسکتی ہے اس کو وہ خوب جانتے ہیں پس جب حکمین کی نیت ٹھیک دیکھیں گے وہ طریق ان کے قلب میں القا فرما دیں گے۔ دیکھئے حق تعالیٰ نے طلاق سے بچنے کی کتنی عمدہ ترکیبیں بتلائی ہیں اگر لوگ ان طریقوں سے کام لیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ کبھی طلاق کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ اور اگر بدون طلاق کے چارہ ہی نہ رہے تو اس کے لیے یہ تعلیم ہے کہ اول ایک طلاق دو اس سے عورت کا ناز ٹوٹ جائے گا اور اگر اس میں کچھ بھی صلاحیت ہوگی تو وہ سنور جائے گی شریعت نے نہ تو طلاق سے ممانعت کی کہ چاہے باہم کیسا ہی اختلاف ہو طلاق دے ہی نہ سکے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو شوہر ہمیشہ اندر ہی اندر گھٹا کرتا۔ اپنے غصہ کا بھڑاس نہ

(۱) ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے علم اور بڑے خبر والے ہیں'' سورۃ النساء: ۳۵۔

نکال سکتا۔ اس لیے غصہ نکالنے کی اجازت دی کہ ضرورت کے وقت دے سکتے ہو مگر حدود کے ساتھ شریعت میں جذبات کی بہت رعایت کی گئی ہے۔

احکام شرعیہ میں رعایت جذبات

چنانچہ ایک حدیث ہے لا یحل لا حدان یھجر اخاہ فوق ثلثة ایام (۱) کسی مسلمان کو یہ جائز نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ بول چال وغیرہ موقوف رکھے دیکھئے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ چاہے آپس میں کیسا ہی رنج وتکرار ہو بولنا مت چھوڑو حالانکہ شریعت کو یہ بھی اختیار تھا کہ ایسا حکم دیدیتی چنانچہ بعض مشائخ نے طالبین کی اصلاح کے لیے کبھی ایسا حکم دیا ہے مگر ایسی ہمت سالکین کو ہوسکتی ہے۔ ہر شخص کو نہیں ہوسکتی۔ رنج وتکرار کا طعبی تقاضا ہے کہ جس سے تکرار ہو اس سے کلام نہ کیا جاوے۔ چونکہ احکام شرعیہ عام ہیں اس لیے اس جذبہ کی رعایت کر کے حکم دیا گیا کہ غصہ اور رنج میں بول چال چھوڑ دینا جائز ہے مگر اس کی حدود مقرر ہیں کہ تین دن سے زیادہ نہ ہونا چاہیے اس میں نکتہ یہ ہے کہ رنج وتکرار کے بعد فوراً سلام وکلام کرنے میں غصہ کو گھونٹنا پڑے گا اور غصہ کے گھونٹنے سے کینہ اور حسد پیدا ہوجاتا ہے اس لیے غصہ نکالنے کی اجازت دی گئی۔ کہ بول چال ترک کر سکتے ہو۔ مشائخ کو بھی ایسے موقع پر غصہ گھونٹنے کا حکم نہ دینا چاہیے بلکہ موقع اور حالت کو دیکھ کر حکم دینا چاہیے اسی لیے شیخ بننا بڑا مشکل ہے۔

تین دن تک نہ بولنا جائز ہے

غرض عام حکم یہ ہے کہ تین دن تک نہ بولنا جائز ہے اور تین دن سے زیادہ ترک کلام جائز نہیں کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ تھوڑی دیر گزر جانے سے غصہ کم ہوجاتا ہے۔ پھر رات گزر جانے سے اگلے دن طبیعت ہلکی ہوجاتی ہے بوجھ نہیں رہتا۔ پھر تیسرے دن غصہ بالکل جاتا رہتا ہے۔ اب شریعت ایسے وقت میں دونوں کو ملانا چاہتی ہے

(۱) الادب المفرد للبخاری ۳۹۹۔

کہ ان کے دلوں پر غصہ کا بوجھ نہیں رہا۔ تجربہ ہے کہ تین دن کے بعد غصہ اور رنج کا طبعی اثر باقی نہی رہتا ہاں اگر کوئی سوچ سوچ کر خود ہی رنج وغصہ کو تازہ کرنا چاہے تو اور بات ہے مگر یہ رنج وغصہ کسبی ہوگا(۱) طبعی اثر نہ ہوگا۔ شریعت نے طبعی تقاضہ کی رعایت کی ہے کیونکہ وہ اختیار سے باہر ہے، کسبی امور کی رعایت نہیں کی کیونکہ ان کا وجود وعدم اپنے اختیار میں ہے مگر یہ حدود اس رنج وغصہ میں ہیں جو دنیوی سبب سے ہو اور اگر دینی سبب سے ہو تو تین دن سے زیادہ بھی ترک کلام وسلام جائز ہے جب تک کہ وہ سبب باقی ہے۔ مثلاً نعوذ باللہ کوئی مرتد ہوگیا یا کوئی شخص فاسق وفاجر وزناکار ہے وغیرہ وغیرہ لیکن اس میں بھی یہ شرط ہے کہ قطع تعلق کا منشاء محض وہ معصیت ہی ہو بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ قطع تعلق تو کرتے ہیں کسی دنیوی سبب سے مثلاً ان کو کسی سے کوئی زک (۲) پہنچی ہے اس لیے بول چال قطع کرتے ہیں۔ مگر ان کا نفس مولوی ہے وہ اس کے لیے دینی سبب نکال لیتا ہے کہ میں نے تو اس شخص سے قطع تعلق اس لیے کیا ہے کہ یہ فاسق ہے بدعتی ہے اس مرض میں آج کل مولوی زیادہ مبتلا ہیں کہ وہ دنیا کو دین بنالیتے ہیں مگر ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ ان تاویلوں سے مخلوق کو دھوکہ دے سکتے ہیں مگر خدا کے یہاں یہ ترکیبیں اور حیلے نہیں چل سکتے۔

خلق را گیرم کہ بفریبی تمام در غلط اندازی تاہر خاص وعام
کار با باخلق آری جملہ راست باخدا تدبیر وحیلہ کے رواست
کاراو باراست باید داشتن رایت اخلاص وصدق افراشتن
گہ گہے اللہ دروغے می زنی از برائے مسکہ دوغے میزنی(۳)

ان مولویوں سے تو عوام ہی اچھے کہ وہ گناہ کر کے اس کو گناہ تو سمجھتے ہیں مگر یہ

(۱) خود ساختہ (۲) کوئی تکلیف (۳) ''میں نے عرض کیا کہ اگر تو نے ساری مخلوق کو دھوکہ دے بھی دیا مگر خدا تعالیٰ کو کہاں دھوکہ دے سکتا ہے۔ مخلوق کے ساتھ تو تیرے سب کام درست ہیں خدا تعالیٰ کے ساتھ مکر وحیلہ کب جائز ہے۔ حق تعالیٰ کے ساتھ سب کام درست رکھنے چاہیں۔ اخلاص اور سچائی کا علم بلند کرنا چاہیے کبھی کبھی جھوٹی اللہ کی ضرب لگاتا ہے مسکہ کے لیے چھاچھ بلوتا ہے''۔

لوگ تو گناہ کرتے ہیں اور تاویل کر کے اس کو دین میں ٹھونسنا چاہتے ہیں ان پر گناہ معصیت کا بھی ہے اور تحریف دین کا بھی۔

نفرت نفسانی

ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ مجھے بے نمازی آدمی سے نفرت آتی ہے، سلام کرنے کو جی نہیں چاہتا، میں نے کہا کہ تم اس وقت اپنے کو اس سے افضل سمجھتے ہو یا نہیں۔ اگر اپنے کو افضل سمجھتے ہو تو یہ نفرت شرعی نہیں بلکہ نفسانی ہے۔ کہنے لگے کہ ہاں میں اپنے کو افضل سمجھتا ہوں۔ میں نے کہا بس یہی کسر ہے[۱] اس حالت میں تم اس سے بدتر ہو کیونکہ تکبر اور عجب سے بدتر کوئی گناہ نہیں۔ وہ تو بے نمازی ہی ہے مگر بے نمازی اپنے کو حقیر و ذلیل سمجھا کرتا ہے اور تم نمازی ہو کر اپنے کو بڑا سمجھتے ہو اور دوسرے مسلمان کو حقیر سمجھتے ہو تم اس سے بھی زیادہ ایک گناہ میں مبتلا ہو۔ یہاں شاید کسی کو یہ سوال ہو کہ جب باوجود گناہ اور فسق و فجور کے ہم دوسرے کو اپنے سے افضل سمجھیں گے تو پھر حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کیا چیز ہے۔

یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کو اپنے سے افضل بھی سمجھیں اور پھر اس سے بغض بھی رکھیں اس پر ہم کو غصہ بھی آوے اس سے ترک تعلق بھی کریں اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کو اپنی اولاد پر بھی کبھی غصہ آتا ہے یا نہیں اس وقت آپ کی کیا حالت ہوتی ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اولاد پر غصہ کرنے کے وقت ان کے فعل سے نفرت بھی ہوتی ہے ان سے قطع تعلق بھی چند روز کے لیے کرلیا جاتا ہے مگر اس کے ساتھ ایک شفقت بھی دل میں ہوتی ہے۔ اور وہ شفقت ہی ان سب افعال کا منشاء ہوتی ہے جس کی علامت یہ ہے کہ اس کی بدحالی پر رنج وافسوس ہو کر رونا آتا ہے اور اس کی کوشش ہوتی ہے کہ خدا کرے کسی طرح جلدی اس کی اصلاح ہوجائے۔ نیز آپ غصے کے وقت اولاد کو حقیر و ذلیل بھی نہیں سمجھتے۔ چنانچہ اگر کوئی دوسرا اس کو حقیر و ذلیل کرنے لگے تو آپ کو ناگوار

(۱) کوتاہی ہے۔

ہوتا ہے بس اگر یہی شان عاصی پر غصہ کرنے کی ہو تو وہ بغض فی اللہ ہے ورنہ نفسانی بغض ہے۔ ایک اشکال اس جگہ یہ ہوتا ہے کہ صاحب بے نماز سے اپنے کو بدتر کیسے سمجھ لیں اور اس کو افضل کیسے سمجھیں جب خدا نے ہم کو ایک چیز دی ہے اور دوسرے کو نہیں دی۔ تو لامحالہ ہم دوسرے کو اس سے محروم دیکھ کر اپنے سے کم اور اپنے کو اس سے زیادہ سمجھیں گے۔ مثلاً خدا تعالیٰ نے ایک شخص کو ہزاروں روپے دیے ہیں اور دوسرے کو ایک بھی نہیں دیا تو اس صورت میں وہ ہزاروں والا اپنے کو مفلس سے کم اور مفلس کو اپنے سے زیادہ کیونکر سمجھ سکتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس اشکال کا جواب تو خود اشکال ہی کے اندر آ گیا۔ وہ یہ کہ جب یہ نعمت خدا نے آپ کو دی ہے تو آپ یوں سمجھیں کہ میں تو سب سے بدتر تھا اور اب بھی بدتر ہوں مگر خدا نے محض اپنے فضل سے مجھ کو یہ نعمتیں دیدی ہیں اس میں میرا کچھ کمال نہیں۔ اس مضمون کے استحضار کے بعد آپ میں کبر و عجب پیدا نہ ہوگا۔ باقی یہ میں نے کب کہا ہے کہ آپ اپنے کو بے نماز اور بے نماز کو نمازی سمجھنے لگیں۔ اگر میں یہ کہتا اس وقت یہ اشکال ہوسکتا تھا کہ صاحب امیر آدمی کو اپنے کو مفلس اور مفلس کو امیر کیسے سمجھ لے۔ نہیں امیر اپنے کو امیر ہی سمجھے اور مفلس کو مفلس سمجھے مگر اس سے اپنے کو افضل نہ سمجھے یہ خیال کرلے کہ میں خود امیر نہیں ہوا بلکہ خدا نے مجھے امیر کیا ہے۔ اور وہ اس پر بھی قادر ہے کہ یہ نعمت مجھ سے سلب کرکے دوسرے کو دیدے۔ یہ بات جس کے دل میں جمی ہوئی ہوگی وہ ہرگز اپنے کو دوسرے سے افضل نہ سمجھے گا اور نہ دوسروں کو حقیر سمجھے گا۔ بلکہ ان کی حالت پر اس کو رحم آئے گا۔

اعتبار خاتمہ کا ہے

یہ تو سرسری جواب ہے اور حقیقی جواب یہ ہے کہ اعتبار خاتمہ کا ہے اور خاتمہ کا حال کسی کو معلوم نہیں۔ تو آپ یہ سمجھ لیں کہ اس وقت گو میں بظاہر دوسرے سے اچھی حالت میں ہوں مگر ممکن ہے کہ خاتمہ کے اعتبار سے وہ اچھا ہو۔ نیز باعتبار حال کے بھی ممکن ہے کہ دوسرے میں کوئی ایسی عمدہ فضیلت ہو جو تم میں نہ ہو۔ مثلاً اس کو خدا تعالیٰ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق محبت زیادہ ہو، اس میں تواضع آپ سے زیادہ ہو کیونکہ ہم نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ ان میں ظاہری اعمال کم ہوتے ہیں مگر وقت پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل میں خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت بہت زیادہ ہے۔ تیسرے جو شخص اپنے نفس کے واسطے بغض نہ کرے گا بلکہ بغض فی اللہ کرے گا وہ محض خدا کا حکم سمجھ کر کرے گا اس کو یہ وسوسہ وخیال ہرگز پیش نہ آویں گے کہ میں افضل ہوں یا دوسرا۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک بادشاہ عادل اپنے بیٹے کو کسی بات پر سزا دے کہ اس کے دس بید مارے جاویں اس وقت شاہی حکم سے بھنگی شہزادہ کے بید مارتا ہے مگر کیا اس کے دل میں یہ وسوسہ بھی آسکتا ہے کہ میں شہزادے سے افضل ہوں ہرگز نہیں وہ جو کچھ کرے گا محض حکم کی وجہ سے کرے گا اور اپنی فضیلت کا اسے وہم بھی نہ ہوگا۔ یہی حال بغض فی اللہ میں ہوتا ہے۔ بغض فی اللہ والا دوسرے سے بغض بھی کرتا ہے اس سے قطع تعلق اور ترک سلام وکلام بھی کرتا ہے مگر پھر دوسرے کو اپنے سے افضل سمجھتا ہے جیسے بھنگی بید مارتے ہوئے بھی شہزادہ ہی کو اپنے سے بڑا اور افضل سمجھتا ہے۔

شریعت میں رعایت جذبات کے ساتھ حفاظت حدود

الغرض شریعت میں جذبات کی رعایت کا بہت خیال ہے مگر اس کے ساتھ حدود کی رعایت کا بھی بے انتہا اہتمام ہے پس جذبات کی رعایت کر کے تو طلاق کی اجازت دی گئی۔ مگر مصالح کا لحاظ کر کے اولاً رجعی کی اجازت دی کیونکہ تین طلاقیں دینا فیصلہ کرنا ہے اور غصہ میں فیصلہ کرنا ممنوع ہے حکم یہ ہے۔

لا یقضین قاض بین اثنین وھو غضبان (۱) غصہ کی حالت میں قاضی کو فیصلہ نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ غصہ میں فیصلہ صحیح نہ ہوگا اس میں غالب احتمال غلطی کا ہے اسی طرح غصہ میں تین طلاق دینے کا انجام اکثر برا ہوگا بعد میں ندامت وحسرت ہوگی۔ چنانچہ ہم نے بہت واقعات دیکھے اور سنے ہیں کہ تین طلاق دے کر بعد میں لوگ

(۱) ’’سنن الدار قطنی: ۴/۲۰۶۔

پچھتاتے تھے اور اب نکاح باقی رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے، یہاں تک کہ بعض جگہ شوہر کا کفر ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ شاید اس سے کبھی کلمہ کفر نکل گیا ہو جس سے نکاح ٹوٹ گیا ہو تو اب یہ تین طلاقیں واقع نہ ہوں گی انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ اسی لیے شریعت نے تین طلاق ایک دم سے دینے کی ممانعت کی ہے۔

بچوں کو غصہ میں سزا نہ دینے کا حکم

اسی طرح غصہ میں بچوں کو مارنا نہ چاہیے کیونکہ غصہ میں یہ خیال نہیں رہتا کہ یہ کتنی سزا کا مستحق ہے ضرور حد سے تجاوز ہوجاتا ہے مکتب کے میاں جی اس میں زیادہ مبتلا ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ لڑ کر آئے بیوی سے اور فیض عام پہنچا سب لڑکوں کو بس ذرا سی بات پر ایک لڑکے کے چھڑی لگائی تھی کہ ایک طرف سے سبھی کو مارتے چلے گئے خطا کی ایک نے اور سزا دی سب کو بھلا یہ بھی کوئی انسانیت ہے انکو خدا کا خوف نہیں آتا کہ آخرت میں اس کی باز پرس ہوگی یاد رکھو لڑکوں کے معاف کرنے سے یہ ظلم معاف نہیں ہوتا وہ اگر معاف بھی کردیں تو سرکار مدعی ہوگی اور اول تو ایسے میاں جی آج کل کہاں ہیں جو بچوں سے معافی چاہیں ہم نے صرف ایک ملا کو دیکھا ہے، گنگوہ میں وہ شاگردوں سے معافی چاہا کرتے تھے جس کی صورت یہ تھی کہ اپنی کمر کھول کر بیٹھ جاتے اور جس لڑکے کو مارتے اس کے ہاتھ میں قمچی دیتے کہ بھائی تو میرے مار لے۔ بعضے شریر لڑکے ایسے بھی ہوتے تھے کہ میاں جی کے سڑاسڑ قمچیاں لگاتے تھے۔ اس سے بھی خرابی ہوئی کہ لڑکے گستاخ ہوگئے۔ بچوں سے معافی کا طریقہ یہ ہے کہ ان سے ایسا برتاؤ کیا جاوے کہ وہ خوش ہوجاویں نہ تو زبانی کافی ہے(۱) اور نہ ان سے انتقام لینے کو کہا جاوے۔ بس آئندہ ان کو اپنے برتاؤ سے خوش کردینا چاہیے۔ ان کو بلاؤ، چمکارو، چوٹ کی جگہ سہلاؤ، دودھ پلادو، پیسہ دے دو، بس اس طرح وہ خوش ہوجاویں گے تو آپ کے اوپر سے حق العبد اتر جائے گا لیکن اس کے بعد توبہ استغفار کی بھی ضرورت ہے کیونکہ حق العبد میں حق اللہ

(۱) معافی زبانی کافی ہے۔

بھی فوت ہوتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے لا تظلموا (ظلم مت کرو)۔ آپ نے اس حکم کی مخالفت کی یہ خدا تعالیٰ کا حق فوت ہوا پس طریقہ یہ ہے کہ بچوں کو غصہ اترنے کے بعد سزا دی جائے اس وقت جو کچھ سزا دی جائے گی وہ خطا کے موافق ہوگی حد سے تجاوز نہ ہوگا ہاں یہ ضروری ہے کہ غصہ فرو ہوجانے کے بعد مارنے میں مزہ نہیں آئے گا مگر جیسا کہ غصہ میں مارنے سے اس وقت مزہ آتا ہے ایسا ہی کبھی بعد میں بدمزگی بھی ایسی ہوتی ہے کہ آپ سارا مزہ بھول جائیں گے۔

مثلاً آنکھ پھوٹ گئی، کان پھٹ گیا، کہیں بے موقع ضرب آ گئی، تو میاں جی کھنچے کھنچے پھریں گے اور ایسا نہ بھی ہوا، تو آخرت کی بدمزگی تو ضرور ہوگی۔ غرض غصہ کے وقت کا فیصلہ ٹھیک نہیں ہوتا۔ اس لیے ایک دم سے تین طلاقیں ہرگز نہ دینی چاہئیں۔ کیونکہ وہ بھی نکاح کا فیصلہ ہے۔ اگر طلاق دو تو ایک دو۔ پھر دیکھو عورت کو ندامت ہے یا طلاق سے خوش ہے۔ بعض دفعہ عورت طلاق سے خوش بھی ہوا کرتی ہے کہ اچھا ہوا قصہ ختم ہوا۔ جس کا سبب کبھی تو شوہر کی زیادتی ہوتی ہے کبھی خود عورت کی شرارت ہوتی ہے، کبھی دونوں طرف سے زیادتی ہوتی ہے تو وہ یہ سمجھ کر خوش ہوتی ہے کہ اچھا ہوا روز روز کا فضیحتا جاتا رہا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ میاں بی بی دونوں نیک ہوتے ہیں مگر پھر بھی عورت کو طلاق سے مسرت ہوتی ہے کیونکہ طبائع میں مناسبت اور موافقت نہ ہونے کی وجہ سے اجتماع نہیں ہوسکتا۔ جیسے سوڈا اور ٹاٹری فی نفسہ عمدہ چیزیں ہیں الگ الگ رہیں تو کچھ آفت برپا نہیں ہوتی۔ مگر جہاں اجتماع ہوا شور برپا ہوا۔ ایسے ہی بعضے میاں بی بی الگ الگ رہیں تو بہت نیک ہیں مگر اجتماع سے آفت نازل ہوتی ہے۔

اختلاف مزاج کیوں ہوتا ہے

اس میں علاوہ اختلاف مزاج کے ایک اور نکتہ بھی ہے وہ یہ کہ حدیث میں ہے (الارواح جنود مجندۃ ماتعارف منہا ائتلف وماتناکر منہا اختلف) روحیں ایک

(۱) صحیح البخاری: ۴/ ۱۶۲، مشکوٰۃ المصابیح ۵۰۰۳

مجمع لشکر کی صورت میں تھیں پس جن میں باہم اس وقت تعارف اور آشنائی ہوچکی ہے ان میں یہاں بھی الفت ومحبت ہوجاتی ہے اور جن میں اسی وقت تعارف نہیں ہوا وہ یہاں بھی میل نہیں کھاتے۔ یہ مضمون محض منقول ہے مشاہد نہیں۔ مگر مخبر صادق کی خبر ہے اس لیے ماننا پڑے گا۔ ہاں بعضے عارفین نے جن کو یہ واقعہ یاد رہا بتلایا ہے کہ عہدالست میں جب ارواح کا اجتماع ہوا تھا تو فلاں شخص ہمارے داہنے تھا فلاں بائیں طرف تھا، فلاں سامنے تھا نیز اہل کشف نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس اجتماع کی چار صورتیں ہوئی تھیں بعضی ارواح کا منہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھا ان میں تو دنیا میں جانبین سے الفت ہوجاتی ہے۔ بعض اس طرح کھڑی تھیں کہ ہر ایک کی پشت دوسرے کی طرف تھی۔ ان میں ہر ایک کو دوسرے سے نفرت ہوتی ہے اور بعض اس طرح جمع تھیں کہ ایک کا منہ دوسری کی پشت کی طرف سو ان میں ایک کی طرف سے میلان ہوتا ہے دوسری طرف سے نفرت اس سے معلوم ہوا کہ مزاج کا فطری اتحاد واختلاف اختیاری نہیں بلکہ اضطراری ہے جن دو شخصوں کے مزاج میں اختلاف ہوتا ہے ان میں اتحاد نہیں وسکتا یہ قدرتی امر ہے۔ بعض دفعہ ایک شخص نیک ہوتا ہے مگر طبیعت کو اس کی طرف میلان نہیں ہوتا۔ بعض فاسق وفاجر ہوتے ہیں مگر ان کی صورت دیکھ کر طبیعت کو کشش ہوتی ہے۔ پس اس پر تعجب نہ کیا جاوے کہ وہ نیک آدمیوں میں اختلاف مزاج کیوں ہوتا ہے اسی طرح بعض دفعہ واقعی میاں بی بی دونوں نیک ہوتے ہیں مگر باہم نباہ نہیں ہوتا۔

ناموافقت مزاج کے ساتھ نباہ مشکل ہے

روایات میں ہے کہ ایک عورت نے وضع ولد سے بیس منٹ پہلے اپنے شوہر سے طلاق مانگی اس کو یہ مسئلہ معلوم تھا کہ بچہ جننے سے فوراً عدت ختم ہوجاتی ہے اگر چہ اس سے پانچ منٹ پہلے ہی طلاق دے دی گئی ہو شوہر کو اس وقت خیال نہ تھا اس نے کہا کہ خدا کی بندی اس وقت تو طلاق لے کر کیا کرے گی آخر کوئی وجہ بھی، کہنے لگی کہ وجہ کچھ بھی

نہیں بس میرا دل خوش ہوجائے گا تمہارا حرج ہی کیا ہے۔ ایک طلاق سے نکاح تھوڑا ہی ٹوٹتا ہے تم پھر رجعت کر لینا اس نے طلاق دیدی اور نماز کو چلے گئے تھوڑی دیر بعد بچہ پیدا ہوا اور عدت ختم ہوگئی تو بعض عورتیں بوجہ ناموافقت مزاج کے نباہ نہیں کرسکتیں اس لیے ان کو طلاق سے خوشی ہوتی ہے اس لیے نکاح میں موافقت مزاج اور مناسبت طبائع کا لحاظ بہت ضروری ہے۔ جب مزاج میں موافقت نہیں ہوتی تو نباہ دشوار ہوجاتا ہے۔

پیری ومریدی کا سارا مدار مناسبت پر ہے

اور اس نکاح سے زیادہ اس تناسب کے اشتراط میں پیری مریدی کا تعلق ہے اس کا تو سارا مدار مناسبت ہی پر ہے بدون مناسبت کے کچھ نفع ہی نہیں ہوتا۔ اس لیے طالب کو چاہیے کہ جس شیخ سے بیعت ہونا چاہے اس کے پاس کچھ مدت تک قیام کرے جب باہم دونوں میں مناسبت ہوجائے اس وقت بیعت کی درخواست کرے۔ مگر آجکل لوگوں کی حالت یہ ہے کہ آج ایک بزرگ کے پاس گئے اور ان کی کوئی بات پسند آگئی بس لگے ان سے بیعت ہونے پھر کل کو کسی دوسرے بزرگ کی کوئی ادا پسند آگئی بس ان سے بیعت ہوگئے۔ ان کی بعینہ یہ مثال ہے گنگا گئے گنگا داس جمنا گئے جمنا داس۔ یہ لوگ طریق کو کھیل بنانا چاہتے ہیں یاد رکھو اس طرح مقصود حاصل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ایک نہ ایک دن ان کی قلعی کھل جاتی ہے۔ پھر کسی شیخ کو اس پر اعتماد نہیں ہوتا، ہرجائی مشہور ہوجاتا ہے۔

وفاداری مدار از بلبلاں چشم — کہ ہر دم بر گلے دیگر سرایند(۱)

بیعت کا اتنی جلدی فیصلہ کرنا نہ چاہیے کیونکہ یہ حالت جلدی ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر غور وفکر کے بعد مناسبت تامہ دیکھ کر بیعت ہوں تو ایک ہی کو لگے لپٹے رہیں گے۔ بعض لوگ کسی کے مریدوں کی تعریف پر اس سے بیعت ہوجاتے ہیں۔ یہ بڑی سخت غلطی ہے کیونکہ مریدین تو اپنے شیخ کی تعریف کیا ہی کرتے ہیں۔ اپنی دہی کو کوئی کھٹی نہیں کہا کرتا تم کو خود جھکنا چاہیے اور اپنے ذوق سے اس کے کھٹے میٹھے ہونے کا فیصلہ کرنا چاہیے۔

(۱) ”بلبلان چشم سے وفا کی امید نہ رکھو کہ ہر دم ایک پھول کو چھوڑ کر دوسرے پر چہچہاتی ہیں۔

دنیادار مشائخ کا حال

نیز آجکل ایک یہ بھی آفت ہے کہ بعض دنیادار مشائخ نے اپنے گرگے (۱) چھوڑ رکھے ہیں جن کو یہی کام سپرد کیا گیا ہے کہ لوگوں کو بہلا پھسلا کر لاؤ اور ہم سے بیعت کراؤ۔ اور بعض دیندار مشائخ کے یہاں بھی ایسے گرگے موجود ہیں مگر ان مشائخ کو اس کی اطلاع نہیں ورنہ وہ ہرگز اس کو گوارہ نہ کرسکتے اس لیے محض مریدوں کی تعریف وثنا پر کسی سے بیعت ہونا بڑی غلطی ہے۔ میں بہ قسم کہتا ہوں کہ یہ وہ تعلق ہے جس پر ایمان کی تکمیل کا فیصلہ موقوف ہے۔ اگر کسی محقق عارف کے ہاتھ میں پہنچ گئے تب تو ایمان مکمل ہوجائے گا اور اگر کسی جاہل کے ہاتھ پہنچ گئے تو وہ تمہارا پہلا سرمایہ ایمان بھی غارت کردے گا۔ افسوس اتنا بڑا تعلق مگر لوگوں کو اس کے اصول کی خبر نہیں اس میں بڑی اصل دو چیزیں ہیں ایک یہ کہ شیخ عارف محقق ہو دوسرے تم کو اس سے مناسبت تامہ ہو۔ اگر شیخ عارف کامل ہو مگر تم کو اس سے مناسبت نہ ہو تو خاک نفع ہوگا اس لیے بیعت سے پہلے مناسبت کا دیکھنا بہت ضروری ہے ورنہ بعد میں پچھتاؤ گے اور اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی طرف جاؤ گے اور اس صورت میں مشائخ طریق کے ساتھ گویا تم نے کھیل کیا جس میں وبال کا اندیشہ ہے۔

باہر کہ نشستی ونشد جمع دلت   وزتو نرمید صحبت وگلت

زنہار زصحبتش گریزاں می باش   ورنہ نکند روح عزیزاں بحلت (۲)

شیخ ومرید میں مناسبت کا ہونا ضروری ہے

اسی طرح اگر تم کو ایک شیخ سے نفع نہ ہوا لیکن پھر بھی تم اس کو لگے لپٹے رہے۔ اور دوسرے کی طرف رجوع نہ کیا جب بھی تم نے طریق کا حق ضائع کیا۔ غرض ایسا شخص

(۱)۔۔۔۔(۲) ’’جس شخص کی صحبت میں تم کو اطمینان لب نہ ہو اور اس کی صحبت ترک نہ کرو تو اس کی صحبت مٹی اور پانی کی مثال ہے ضرور اس کی صحبت کو ترک کرو ورنہ روح مردہ ہوگی‘‘۔

مصیبت میں گرفتار ہوجاتا ہے نہ اس کو چھوڑتے بن پڑتی ہے نہ الگ ہوتے۔ اس لیے مناسبت کا دیکھنا ضروری ہے جس کے لیے پاس رہنے کی ضرورت ہے۔ اور گو عدم اعتقاد کے لیے تفتیش کی ضرورت نہیں کیونکہ مشائخ کا معتقد ہونا کچھ فرض وواجب نہیں لیکن دست بدست (۱) ہونے کے لیے اس کی بہت ضرورت ہے جیسا کہ اگر تم کسی عورت سے نکاح نہ کرنا چاہو تو اس کے لیے تفتیش (۲) کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہاں نکاح کے لیے چھان پھٹک (۳) کی ضرورت ہے کیونکہ نکاح نہ کرنا معیوب نہیں لیکن نکاح کے بعد طلاق دینا برا ہے۔ اس لیے نکاح سے پہلے عورت کے اخلاق وعادات، صورت وسیرت کی خوب تحقیق کرلینی چاہیے۔ لیکن مشائخ کی تفتیش خود بلا واسطہ کرے اور نکاح میں اولیاء واقربا کے واسطہ سے تحقیق کرے مگر آجکل نکاح میں تو مناسبت وموافقت کی تحقیق وتفتیش کی کسی قدر ضرورت لوگ سمجھتے ہیں اور بیعت ہونے کے لیے اس کا مطلق (۴) اہتمام نہیں حالانکہ نکاح ایک دنیوی کام ہے اور بیعت ہونا دینی کام ہے۔ جس پر ایمان کی تکمیل موقوف ہے دوسرے اس میں امور محسوسہ (۵) کی تفتیش ہے اور اس میں امور معنویہ (۶) کی اور ظاہر ہے کہ امور معنویہ کی تفتیش کے لیے اہتمام بلیغ کی ضرورت ہے۔ تیسرے اس میں ناقصات العقل (۷) سے تعلق ہے اور اس میں کامل العقل سے تعلق ہے اتنی وجوہ ترجیح کے ہوتے ہوئے پھر بھی اس کا اہتمام نہ ہونا جائے تعجب ہے یہ مضمون استطراداً ذکر ہوگیا ہے۔

شریعت کا کوئی حکم خالی از حکمت نہیں

میں طلاق کو بیان کر رہا تھا کہ اگر ضرورت ہو تو ایک طلاق دے سکتا ہے۔ اس صورت میں ایک مہینہ کم از کم سوچنے کے لیے اس کو ملے گا۔ جس میں تمام مصالح پر نظر کرسکتا ہے۔ دوسری طلاق ایک مہینہ کے بعد وہی دے گا جس کو بہت ضرورت ہوگی اس کے بعد پھر ایک ماہ تک اور سوچتے رہو اگر طلاق سے مصالح فوت ہونے کا اندیشہ ہو تب

(۱) بیعت ہونے کے لیے (۲) تحقیق وجستجو (۳) تحقیق کی (۴) بالکل (۵) ایسے کام جو محسوس ہیں (۶) باطنی کاموں کی (۷) کم عقل عورتوں سے۔

تو رجعت کرلو اور اگر نباہ دشوار ہی معلوم ہو تو تیسری طلاق تیسرے مہینے میں دے سکتے ہو۔ اگرچہ بہتر یہ ہے کہ تیسری طلاق نہ دے بلکہ عدت ختم ہونے دے وہ خود ہی نکاح سے نکل جائے گی شاید نکاح سے نکلنے کے بعد پھر دونوں کی رائے تجدید نکاح کی ہو تو سہولت رہے گی۔ تین طلاق کے بعد بدون حلالہ کے نکاح نہ ہو سکے گا۔ اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں: لَا تَدۡرِي لَعَلَّ ٱللَّهَ يُحۡدِثُ بَعۡدَ ذَٰلِكَ أَمۡرٗا (۱) یعنی تین طلاق ایک دم سے نہ دو تم کو کیا خبر ہے شاید حق تعالیٰ بعد میں تمہاری رائے بدل دیں پھر تم کو پچھتانا پڑے گا۔ یہ حکمت بظاہر طلاق کے متعلق ہے مگر لا تدری کا تلك حدود اللّٰه (۲) کے بعد میں لانا اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکمت تمام حدود کے متعلق ہے گو کہیں بے تکلف وہ حکمت مفہوم (۳) ہوجاتی ہے اور کہیں ذرا غور وتامل سے معلوم ہوتی ہے۔ یہاں سے آپ کو معلوم ہوگیا کہ شریعت کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں اول تو ہر حکم میں اس کے مناسب جزئی مصالح اور حکمتیں بھی بہت ہوتی ہیں ورنہ کم از کم یہ حکمت تو لا تدری کی مدلول ہے (۴) سب کو ہی عام ہے۔ نمونہ کے طور پر سنئے حق تعالیٰ نے خرچ کے متعلق فرمایا و کان بین ذالك قواما شبہ افراط وتفریط سے بچنا چاہئے اور اعتدال سے خرچ کرنا چاہئے۔ دوسری آیت میں ہے۔ وَلَا تَجۡعَلۡ يَدَكَ مَغۡلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبۡسُطۡهَا كُلَّ ٱلۡبَسۡطِ (۵) اس حد میں بھی یہ حکمت ہے لَا تَدۡرِي لَعَلَّ ٱللَّهَ يُحۡدِثُ بَعۡدَ ذَٰلِكَ أَمۡرٗا یعنی اسراف مت کرو شاید حق تعالیٰ بعد میں کوئی نئی بات پیدا کردیں جس کے لیے تم کو روپیہ کی ضرورت ہونے لگے۔ بعض دفعہ مال ہوتے ہوئے کوئی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی ہم سمجھتے ہیں کہ یہ روپیہ ضرورت سے زیادہ ہے۔ مگر بعد میں دفعۃً ضرورت نکل آتی ہے کوئی بیمار ہوگیا یا کوئی مقدمہ سر پر آپڑا اس لیے سارا روپیہ برباد نہ کرنا چاہیے۔ کچھ اپنے پاس ضرور رکھنا چاہیے۔

(۱) سورۃ الطلاق: ۱ (۲) یعنی یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں (۳) سمجھ میں آتی ہو (۴) جس پر تمہیں نہیں معلوم کے الفاظ دلالت کررہے ہیں (۵) ''نہ اپنے ہاتھوں کو گردن سے باندھ لو نہ پوری طرح کھول دو'' سورۃ الاسراء: ۲۹۔

مشائخ کاملین کا حال

ہمارے حاجی صاحب باوجود بڑے کامل تارک ہونے کے فرماتے تھے کہ اہل تعلقات کو کچھ ذخیرہ مال کا نفس کے بہلانے کو اپنے پاس ضرور رکھنا چاہیے۔ دیکھئے حکماء یہ حضرات ہیں کہ ہر شخص سے اس کی حالت کے مناسب معاملہ کرتے ہیں اور واقعی وہ شیخ اناڑی ہے جو ساری دنیا کو تارک بنانا چاہے جو شخص سب مریدوں کو ایک ہی لکڑی سے ہانکے وہ اس حکیم کے بیٹے کے مشابہ ہے جو ایک بار اپنے باپ کے ساتھ کسی مریض کو دیکھنے گیا۔ باپ نے نبض دیکھ کر کہا شاید آپ نے نارنگی کھائی ہے مریض نے اقرار کیا۔ حکیم نے آئندہ کو منع کر دیا۔ راستہ میں لوٹتے ہوئے لڑکے نے باپ سے پوچھا کہ آپ نے نبض سے کیسے معلوم کرلیا کہ اس نے نارنگی کھائی ہے۔ کہا نبض سے تو برودت وبلغم کا اثر معلوم ہوا تھا پھر وہاں نارنگی کے چھلکے پڑے ہوئے نظر آئے اس قرینہ سے میں سمجھ گیا کہ اس نے آج نارنگی کھائی ہے پس صاحبزادہ کے ہاتھ ایک قاعدہ کلیہ آ گیا۔ باپ تو مر گئے آپ ان کی جگہ بیٹھے وہی مثل ہوئی۔

آدمیاں گم شدند ملک خدا خرگرفت زشتیٔ اعمال ما صورت نادر گرفت (۱)

ایک مرتبہ کسی رئیس کے یہاں تشریف لے گئے اس کی نبض دیکھ کر چار پائی کے نیچے دیکھا آپ کہتے ہیں کہ شاید آپ نے نمدہ کھایا ہے۔ اتفاقاً پلنگ کے نیچے نمدہ (۲) ہی پڑا تھا لوگ ہنسنے لگے کہ بھلا نمدہ بھی کوئی کھایا کرتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ نبض سے تو یہی معلوم ہوتا ہے لوگوں نے نکال دیا کہ جا تیری دم میں نمدہ (۳)۔

اسی طرح بعضے عطائی حکیم ہر شخص کو سنکھیئے (۴) کا تیل بتلا دیتے ہیں چاہے کسی کے موافق ہو یا نہ ہو، تو جیسے یہ لوگ اناڑی طبیب ہیں ایسے ہی وہ شیخ بھی اناڑی ہے جو سب کو تارک (۵) بنانا چاہے۔ یاد رکھو فطری طور پر طبائع مختلف ہیں۔ کسی کو بدوں (۶) مال کے جمعیت ہوتی ہے کسی کو مال ہی سے جمعیت ہوتی ہے اور ہر ایک کے

(۱) ''اہل آدمی گم ہوگئے ملک خدا گدھوں وناا ہلوں کے قبضہ میں آیا ہماری بداعمالی نے نادر صورت اختیار کی'' (۲) وہ ادنی کپڑا جو گھوڑے کی زین کے نیچے باندھتے ہیں (۳) بطور ڈانٹ کے کہتے ہیں تیرا برا ہو (۴) زہر (۵) دنیا کی تمام چیزیں چھڑانا چاہتا ہے (۶) بغیر مال کے۔

لیے توکل کی شان جدا ہے جس کی بدون مال کے جمعیت نہ ہو اس کے لیے مال جمع کرنے کے ساتھ بھی توکل جمع ہوسکتا ہے اور جس کو بغیر مال کے جمعیت ہو سکے اس طرح بھی توکل صحیح ہوسکتا ہے پس توکل کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جو کچھ آئے سب خرچ کر ڈالے کچھ جمع نہ کرے ہاں یہ کہنا چاہیے کہ توکل کی ایک صورت یہ بھی ہے وہ حکیم عطائی ہے جو سب کو تارک بنا کر متوکل بنانا چاہے۔ دیکھئے حضرت صدیق اکبرؓ نے بیت المال سے تنخواہ لی ہے اور حضرت عمرؓ نے اول اول نہیں لی پھر بطور قرض لینے لگے مگر دونوں متوکل تھے۔ نیز حضرات صحابہؓ میں بہت سے ایسے بھی تھے جن کے پاس ہزاروں لاکھوں روپے جمع تھے۔ نیز حضرات صحابہؓ میں بہت سے ایسے بھی تھے جن کے پاس ہزاروں لاکھوں روپے جمع تھے اور یقیناً صحابہ سے بڑھ کر کوئی متوکل نہیں ہوسکتا پس یہ خیال غلط ہے کہ توکل کے لیے مال جمع نہ کرنا شرط ہے۔

توکل کی حقیقت

توکل کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ پر بھروسہ اور اعتماد ہو اسباب پر نظر نہ ہو۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ اسباب کو جمع ہی نہ کرے ایک صورت یہ ہے کہ اسباب کو جمع کرکے پھر ان پر نظر نہ کرے۔ تو شیخ کو چاہیے کہ جس شخص کی طبیعت کمزور دیکھے اس کو مال جمع کرنے سے نہ روکے بلکہ مال جمع کرنے کے ساتھ اس کو توکل کی تعلیم دے اور طبیعت کا کمزور ہونا قوی ہونا یہ فطری امر ہے اگر کوئی شخص فطرۃً کمزور ہو تو اس سے ولایت و مغفرت میں کچھ نقصان نہیں آتا۔

کمزوری طبیعت کا علاج

ایک بزرگ نے حق تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اے اللہ میرا سارا رزق ایک دم سے دیدیجئے۔ الہام ہوا کیا تم کو ہم پر اعتماد نہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ الٰہی مجھے آپ پر اعتماد کیوں نہ ہوتا۔ لیکن شیطان مجھ سے کہتا ہے کہ کل کو کہاں سے کھائے گا میں کہتا ہوں خدا دے گا کیونکہ اس کا وعدہ ہے وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي ٱلْأَرْضِ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ رِزْقُهَا[1] تو وہ کہتا ہے

(۱) ''اور کوئی جاندار روئے زمین پر ایسا چلنے والا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو'' ھود: ٦۔

کہ خدا کا وعدہ سچا ہے مگر یہ تو نہیں فرماتا کہ تم کو کل ہی کو رزق مل جاوے گا۔ بس یہ وعدہ ہے کہ رزق ہمارے ذمہ ہے تو ممکن ہے کہ تین چار دن کے بعد روزی ملے جبکہ تم فاقے کر کے پریشان ہو چکو گے یہاں آ کر میں خاموش ہو جاتا ہوں اگر ساری روزی مجھے ایک دم سے مل جائے تو میں اس کو ایک کوٹھڑی میں بند کر کے رکھ دوں گا، پھر اگر شیطان مجھ سے کہے گا کہ کل کو کہاں سے کھائے گا تو میں اشارہ کر کے بتلا دوں گا کہ اس کوٹھڑی میں سے کھاؤں گا پھر آگے اس کی بات نہ چل سکے گی۔ تو دیکھئے ان بزرگ نے اپنی طبیعت کی کمزوری کا کیسا علاج کیا۔ اب یہاں سے ان واعظوں کی غلطی معلوم ہوگئی جو سارے مسلمانوں کو بے ایمان بتلاتے ہیں کہ ان کو وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي ٱلْأَرْضِ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ رِزْقُهَا [(۱)] پر بھروسہ اور یقین نہیں۔ اور اس کی تائید میں یہ دلیل بیان کیا کرتے ہیں کہ دیکھو اگر کوئی شخص ان کی دعوت کر دے تو شام کو میرے یہاں کھانا کھائے گا تو اس کی بات پر ایسا یقین ہو جاتا ہے کہ فوراً چولہا ٹھنڈا کر دیتے ہیں اور گھر میں کھانا نہیں پکواتے۔ اور خدا تعالیٰ ان کی دعوت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تمہاری روزی ہمارے ذمہ ہے تو اس پر اعتماد کر کے کوئی بھی چولہا ٹھنڈا نہیں کرتا۔

یاد رکھو یہ مضمون غلط ہے اور ہر مسلمان کو حق تعالیٰ کے ارشاد پر یقین ہے مگر پھر یہ فرق اس لیے ہے کہ دعوت کرنے والا تو وقت مقرر کر دیتا ہے کہ شام کو آج ہی دعوت ہے اور حق تعالیٰ نے دن یا وقت مقرر نہیں کیا ان کا وعدہ مطلق ہے اس لیے ابہام سے بعضوں کو پریشانی ہوتی ہے کہ نہ معلوم یہ وعدہ کب پورا ہو۔ اگر حق تعالیٰ کی طرف سے بھی وعدہ معین ہوتا تو خدا کی قسم جو کوئی مسلمان فاسق سے فاسق بھی چولہا تیار نہ کرتا۔

مقدر رزق کا پہنچانا اللہ کے ذمہ ہے

دوسری یہ کہ بعض دفعہ حق تعالیٰ کا وعدہ کسی شرط کے ساتھ مشروط ہوتا ہے جو کلام

(۱) ’’اور کوئی جاندار روئے زمین پر ایسا چلنے والا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو‘‘ ھود: ٦۔

میں صراحۃً مذکور نہیں ہوتی مثلاً حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ تم جس کام کا ارادہ کرو گے ہم اس کو پورا کردیں گے، مگر اس کے لیے ایک شرط بھی ہے وہ یہ کہ تم اپنی طرف سے کوشش بھی کرو۔ اسی طرح یہاں بھی احتمال ہے کہ ہر شخص کی روزی خدا کے ذمہ ہے یعنی بشرطیکہ تم اس کے لیے کوشش بھی کرو اس لیے مسلمان کوشش کرتے ہیں اگر حق تعالیٰ کوشش سے بھی منع فرمادیتے تو کوئی شخص بھی اسباب کو اختیار نہ کرتا بعض لوگوں کو اس جگہ ایک اشکال ہوتا ہے وہ یہ کہ وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي ٱلۡأَرۡضِ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ رِزۡقُهَا (۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کا رزق خدا کے ذمہ ہے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ قحط کے زمانہ میں بھوکوں مرجاتے ہیں اس کا جواب یہ ہے رِزۡقُهَا میں اضافت ہے جس سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کا رزق مقدر ہے اس کا پہنچانا خدا کے ذمہ ہے، اب جو لوگ بھوکوں مرجاتے ہیں ان کا رزق ہی نہ رہا تھا اس لیے وہ فاقہ سے مرگئے اگر ان کا رزق باقی ہوتا تو کبھی فاقہ سے نہ مرتے لہٰذا اب کچھ اشکال نہیں۔

غرض ان بزرگ نے یہ دعا کی تھی کہ میرا سارا رزق ایک دم سے مل جائے تاکہ اگر شیطان مجھ سے کہے کہ کل کو کہاں سے کھائے گا تو میں کہہ دوں گا اس کوٹھڑی سے کھاؤں گا اس سے معلوم ہوا کہ بعضے بزرگ بھی دل کے کچے ہوتے ہیں ان کو رزق جمع کرنے کے بعد اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے بس سب کو تارک بنانا یہ عطائی حکیموں کا کام ہے۔ محقق کبھی ایسا نہ کرے گا چند روز سے خود مجھے یہ واقع پیش آرہا ہے۔ کہ مجمع میں مجھ سے پانی نہیں پیا جاتا بس تھوڑا سا پیا اور پیاس جاتی رہی یہ بھی طبیعت کی کمزوری ہے تقدیر میں اس وقت زیادہ پانی نہیں ہوتا مگر صراحی میں ہونے سے تسلی رہتی ہے۔

ضعف قلب منافی ولایت نہیں

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ وہ ایک بادشاہ سے باتیں کررہے تھے اور بے باکانہ گفتگو کررہے تھے غالباً بادشاہ کو کسی حرکت پر تنبیہ کررہے تھے بادشاہ کو غصہ آگیا اور اس نے پکارا کہ کوئی ہے تو ان بزرگ صاحب نے بھی آواز دی کہ کوئی ہے بس اس کا پکارنا تھا

(۱) ''اور کوئی جاندار روئے زمین پر ایسا چلنے والا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو'' ھود:۶۔

کہ دفعۃً غیب سے ایک شیر نمودار ہوکر بادشاہ کی طرف لپکا جس کو دیکھ کر بادشاہ تو بھاگا ہیتھا وہ بزرگ خود بھی بھاگے حالانکہ انہی کی کرامت سے وہ آیا تھا مگر آپ خود بھی اس سے ڈرکر بھاگے بات کیا تھی، بات یہ تھی کہ ان کا دل کمزور تھا تو یہ بزرگی کے منافی نہیں۔ بزرگوں کو ضعف قلب (۱) اور اختلاج (۲) اور خفقان (۳) ہوسکتا ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا مرض ہے جس طرح ان کو بخار وغیرہ ہوجاتا ہے ضعف قلب اور اختلاج بھی ہوجاتا ہے اس سے ولایت ومعرفت میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خوف طبعی

دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حق تعالیٰ کی گفتگو ہو رہی تھی نبوت عطا ہوچکی تھی اس کے بعد حق تعالیٰ نے ان کو ایک معجزہ عطا فرمانا چاہا۔ حکم ہوا کہ اپنے عصا کو زمین پر ڈال دو۔ چنانچہ ڈال دیا ور وہ ہیبت ناک اژدھا بن گیا موسی اس کو دیکھ کر ڈر گئے اور پیٹھ موڑ کر ایسے بھاگے کہ پیچھے مڑکر بھی نہ دیکھا فَلَمَّا رَءَاهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَآنٌّ وَلَّىٰ مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ (۴) بھلا اس سے زیادہ قوت قلب کے اسباب کیا ہوں گے کہ بلا واسطہ حق تعالیٰ سے گفتگو بھی ہوچکی تھی، نبوت عطا ہوچکی تھی، حق تعالیٰ کے ارشاد سے عصا کو ڈالا تھا مگر پھر بھی بشریت کے اقتضاء (۵) سے اژدھا (۶) کا خوف غالب ہوگیا اور بھاگ گئے معلوم ہوا کہ خوف طبعی نبوت کے بھی منافی نہیں ولایت اور بزرگی کے منافی تو کیا ہوتا بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ علماء کو ایسا ہونا چاہیے یخشونہ ولا یخشون احدا الا اللہ (۷) ان کے نزدیک علماء کو نہ شیر سے ڈرنا چاہیے نہ سانپ بچھو سے نہ توپ سے نہ بندوق سے نہ حکام سے نہ ڈاکوؤں سے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ ابھی معلوم ہوچکا ہے کہ موذی چیز سے انبیاء علیہم السلام کو بھی خوف طبعی ہوتا تھا

(۱) دل کمزور (۲) دل کا معمول سے زائد دھڑکنا (۳) ایک بیماری جس میں دل کی دھڑکن بڑھ جاتی ہے (۴) سوانہوں نے جب اس کو اس طرح حرکت کرتے دیکھا جیسے سانپ ہوتو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑکر بھی تو نہ دیکھا'' سورۃ القصص: ۳۱ (۵) انسانیت کے تقاضے کی بنا پر (۶) بڑے سانپ (۷) ''کہ بس خدا ہی سے ڈریں اور کسی سے نہ ڈریں''۔

اگر یہ خوف طبعی توکل کے خلاف ہے تو کیا معاذ اللہ انبیاء علیہم السلام کو غیر متوکل کہو گے ہرگز نہیں کس کا منہ ہے جو اپنے کو موسیٰؑ سے زیادہ متوکل بتائے مگر وہاں یہ حالت تھی کہ نبوت کے بعد ان کے دل میں فرعون سے بھی خوف تھا چنانچہ فرماتے ہیں: قَالَا رَبَّنَآ إِنَّنَا نَخَافُ أَن يَفْرُطَ عَلَيْنَآ أَوْ أَن يَطْغَىٰ ﴿٤٥﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ ۖ إِنَّنِي مَعَكُمَآ أَسْمَعُ وَأَرَىٰ ﴿٤٦﴾ [(۱)] باوجود یہ کہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کو صریح اور صاف حکم ہو چکا تھا۔ اذْهَبَآ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُۥ طَغَىٰ ۔فرعون کے پاس جاؤ کیونکہ وہ سرکشی پر کمر باندھ رہا ہے مگر بااین ہمہ [(۲)] موسیٰ اور ہارون علیہم السلام نے آجکل کے بہادروں کی طرح اپنی بہادری ظاہر نہیں کی کہ ہم کو نہ قتل کا خوف ہے نہ قید خانہ کا اندیشہ ہے ہم بلاخوف وخطر اس خدمت کو انجام دیں گے بلکہ انہوں نے اپنے طبعی خوف کو حق تعالیٰ سے عرض کر دیا کہ ہم کو اس کی زیادتی سے ڈر لگتا ہے اور اس کا بھی اندیشہ ہے کہ کہیں وہ ہم کو قتل نہ کرے اس سے معلوم ہوا کہ طبعی خوف کا ہونا نبوت وولایت کے بالکل منافی نہیں ورنہ حق تعالیٰ اس خوف پر انکار فرماتے۔ مگر حق تعالیٰ نے اس پر ان کو ذرا ملامت نہیں کی بلکہ تسلی دے کر فرمایا لَا تَخَافَآ ۖ إِنَّنِي مَعَكُمَآ تم ڈرو نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں اور دوسری جگہ ارشاد ہے: وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطَٰنًا فَلَا يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا ۚ بِـَٔايَٰتِنَآ أَنتُمَا وَمَنِ ٱتَّبَعَكُمَا ٱلْغَٰلِبُونَ [(۳)] جب موسیٰ علیہم السلام نے اپنے طبعی خوف کے ازالہ کا سامان کر لیا اس وقت فرعون کے پاس تشریف لے گئے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کو تبلیغ احکام میں خوف عقلی نہیں ہوتا

اس سے معلوم ہوا کہ وَيَخْشَوْنَهُۥ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا ٱللَّهَ ۗ [(۴)] میں خوف

(۱) ’’موسیٰ وہارونؑ نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو فرعون کی طرف سے یہ خوف ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرنے لگے یا حد سے بڑھ جائے فرمایا تم ڈرو نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں‘‘ سورۂ طٰہٰ: ۴۵۔۴۶ (۲) مگر اس سب کے باوجود (۳) ’’کہ ہم تم کو رعب عطا کریں گے جس کی وجہ سے وہ تم تک نہ پہنچ سکیں گے اور تم کو اور تمہارے متبعین ہی کو غلبہ حاصل ہوگا‘‘ سورۃ القصص: ۳۵ (۴) ’’وہ اللہ سے ڈرتے ہیں خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے‘‘ سورۃ الاحزاب: ۳۹۔

طبعی کی نفی نہیں بلکہ خوف عقلی کی نفی ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت تبلیغ احکام کے متعلق ہے اور مقصود یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام تبلیغ احکام میں سوائے خدا کے کسی سے ایسا نہیں ڈرتے کہ وہ تبلیغ سے مانع ہوجائے۔ چنانچہ پوری آیت اس طرح ہے۔ اَلَّذِیۡنَ یُبَلِّغُوۡنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ وَیَخۡشَوۡنَہٗ وَلَا یَخۡشَوۡنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیۡبًا (۱)

اس میں تبلیغ احکام کے وقت غیر اللہ کے خوف عقلی کی نفی کی گئی ہے۔ رہا یہ کہ ان کو کسی سے خوف طبعی بھی نہیں ہوتا یہ اس آیت کا مفہوم نہیں۔ لوگ قرآن کو ادھورا پڑھتے ہیں اس لیے اشکال ہوتا ہے پورے مضمون پر نظر کرنے کے بعد کچھ اشکال نہیں رہتا۔ غرض تبلیغ احکام کے وقت بھی اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس وقت خوف طبعی کسی درجہ کا لاحق نہیں ہوتا کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے معلوم ہورہا ہے کہ ان کو فرعون سے طبعی خوف تھا اسی لیے انہوں نے حق تعالیٰ سے اپنا خوف ظاہر کرکے اس کا علاج چاہا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام تبلیغ احکام ضرور کرتے ہیں اور تبلیغ کے متعلق خوف عقلی تو ان کو صرف خدا سے ہوتا ہے۔ مخلوق کا خوف عقلی انہوں میں ذرا نہیں ہوتا جس کے اثر سے خوف طبعی مخلوق کا ان پر ایسا غالب نہیں ہوتا جو تبلیغ سے روک دے بلکہ اگر کسی وقت مخلوق سے ان کو خوف طبعی ہوتا بھی ہے تو وہ وخشیت خداوندی سے مغلوب ہوجاتا ہے۔ پس مخلوق کے خوف عقلی کی تو مطلقاً نفی ہے اور خوف طبعی کی مطلقاً نفی نہیں بلکہ اس کے غلبہ کی نفی ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام پر تبلیغ ہر حال میں فرض ہے

اب یہ مضمون ان شاء اللہ کسی نص (۲) سے متعارض نہ ہوگا اس پر شاید کوئی یہ کہے کہ پھر علماء کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔ کہ مخلوق سے خوف عقلی ان کو ذرا نہ ہو اور خوف طبعی اگر ہو تو خوف خداوندی سے مغلوب ہو اس پر غالب نہ ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ

(۱) ''انبیاء ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچایا کرتے تھے اور اللہ ہی سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے تھے اور اللہ تعالیٰ حساب لینے کے لیے کافی ہے'' سورۃ الاحزاب: ۳۹ (۲) قرآن وحدیث کے خلاف نہیں ہوگا۔

جس جگہ علماء کے ذمہ تبلیغ فرض ہوتی ہے وہاں بیشک ان پر خوف خداوندی ہی غالب ہوتا ہے مخلوق کا خوف طبعی غالب نہیں ہوتا مگر جہاں ان پر تبلیغ فرض ہی نہ ہو محض مستحب ہو وہاں اگر ان کو مخلوق سے طبعی خوف ہو تو اس میں کیا حرج ہے۔ بخلاف انبیاء علیہم السلام کے کہ ان پر تبلیغ ہر حالت میں فرض ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ جن علماء کو تم خائف کہتے ہیں ہو وہ اس خوف کی وجہ سے کسی فرض وواجب کو ترک کررہے ہیں یا مباح ومستحب کو۔ اگر تم انصاف سے دلائل میں غور کروگے تو تم کو معلوم ہوجائیگا کہ وہ مخلوق کے خوف سے کسی فرض وواجب کو ہرگز ترک نہیں کرتے بلکہ محض بعض مباحات یا بہت سے بہت بعض مستحبات کو ترک کررہے ہیں۔ سو ایسی حالت میں وہ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا ٱللَّهَ ،(۱) کے خلاف کیونکر ہوتے بلکہ میں ترقی کرکے کہتا ہوں کہ جن مسائل کی تبلیغ آجکل کے بہادر لوگ کررہے ہیں علماء بھی ان سب کی تبلیغ کررہے ہیں صرف عنوان کا فرق ہے۔ بہادران قوم مقابلہ اور سب وشتم (۱) کے ساتھ تبلیغ کرتے ہیں اور جن کو تم خائف کہتے ہو وہ تہذیب اور نرمی کے ساتھ ان مسائل کو بیان کرتے ہیں، اب صرف اس بات کا فیصلہ باقی رہا کہ مخالفین اسلام کے سامنے آیا ہم کو مقابلہ اور سب وشتم کے ساتھ احکام کو ظاہر کرنا چاہیے یا نرمی وتہذیب کے ساتھ سو اس کا فیصلہ خود قرآن مجید نے کردیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نرمی سے بات چیت کرنے کا حکم

حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا فرما کر جب فرعون کے پاس تبلیغ احکام کے لیے جانے کا حکم فرمایا تو اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا: فَقُولَا لَهُۥ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُۥ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ۔ اور فرعون سے نرمی کے ساتھ بات چیت کرنا شاید اس کو نصیحت ہوجائے یا خدا کا خوف اس کے دل میں آجائے۔ دیکھ لیجئے موسیٰ سے زیادہ کون متوکل ہوگا اور فرعون سے زیادہ ظالم وسرکش کون مگر بایں (۲) ہمہ یہ حکم ہورہا ہے کہ اس سے نرمی کے ساتھ گفتگو کیجئے گا۔

---

(۱) گالم گلوچ (۲) اس سب کے باوجود۔

صاحبو قاعدہ یہی ہے کہ جب کسی مخالف پر اپنا زور اور دباؤ نہ ہو تو وہاں مقابلہ اور سختی نافع نہیں ہوتی بلکہ اکثر مضر(۱) ہو جاتی ہے ایسے موقع میں اکثر نرمی ہی سے کچھ منافع ہو جاتا ہے۔(۱۲ جامع)

ہر شخص کو اس کے مناسب حال تعلیم کی جائے

غرض بعض لوگ فطرۃ دل کے کمزور ہوتے ہیں اور بعض قوی القلب ہوتے ہیں تو وہ شیخ اناڑی ہے جو اپنی قوت کو دیکھ کر مریدوں کو بھی اس کی تعلیم دے کہ میری طرح تم بھی تارک بن جاؤ۔ اس کی وہی مثال ہوگی جو چوہے اور اونٹ کی مثال ہے ایک اونٹ سے کسی چوہے کی دوستی ہوگئی تھی، ایک مرتبہ دونوں ساتھ ساتھ جا رہے تھے کہ راستہ میں دریا آیا اور اونٹ دریا میں گھس گیا چوہا کنارہ ہی پر رہ گیا، اونٹ نے چوہا سے کہا کہ تم کیوں رک گئے، اس نے جواب دیا کہ مجھے ڈوبنے کا خوف ہے اونٹ نے کہا نہیں پانی زیادہ نہیں ہے صرف گھٹنوں تک ہے۔ چوہے نے کہا حضور آپ کے گھٹنوں تک ہے کہ میرے بھی ذرا آپ اپنے گھٹنوں کو تو دیکھیں کہ کتنے اونچے ہیں جب اتنا پانی ہے تو میرا کہاں پتہ رہے گا۔ اسی طرح جو شیخ اپنے گھٹنوں تک پانی دیکھ کر چوہے مرید سے بھی کہے کہ چلے آؤ وہ بیوقوف ہے ہمارے حضرات نے ہمیشہ اس کی رعایت کی ہے کہ ہر شخص کو اس کے مناسب حال تعلیم کی جائے۔

حکایت سید الطائفہ حضرت حاجی صاحبؒ و حضرت ضامن شہیدؒ

چنانچہ ہمارے حضرت حاجی صاحب کے پاس ایک خان صاحب جو کہ اس سے پہلے بھی کئی بار کسی ظالم کی شکایت اور دعا کی درخواست لے کر آچکے تھے ایک دن پھر آئے اور عرض کرنے لگے کہ حضرت وہ شخص برابر میرے اوپر ظلم کر رہا ہے اب تو اس نے میری زمین بالکل ہی دبالی ہے ظلم سے باز نہیں آتا میں کیا کروں۔ حاجی صاحب نے فرمایا بھائی صبر کرو خدا تعالیٰ تم کو اور کہیں سے روزی دیدیں گے۔

(۱) نقصان دہ۔

حضرت حافظ ضامن صاحب نے یہ جواب سن لیا، حجرہ سے باہر تشریف لائے اور خان صاحب سے کہا کہ نہیں خان صاحب جاؤ اس کی نالش کرو ہم دعا کریں گے اور حاجی صاحب سے فرمایا کہ آپ کی نہ بیوی نہ بچے اس لیے ہر چیز سے صبر کر کے بیٹھ گئے۔ تو آپ سبھی کو صبر کی تعلیم کرنے لگے۔ بھلا وہ بیچارہ بیوی بچوں والا آدمی اس سے فاقہ مستی پر کیونکر صبر ہوگا۔ آپ کے صبر کا انجام تو وصول الی اللہ [1] ہے اور اس کے صبر کا انجام وصولی الی السقر [2] (دوزخ) ہے کیونکر وہ صبر کر کے بعض دفعہ پریشان ہوگا۔ اور جب پریشانی کے ضبط کا تحمل نہ رہے گا تو گناہ کرنے لگے گا۔ میں کہتا ہوں کہ یہاں تک بھی غنیمت ہے اگر خدانخواستہ کسی نے ایسی حالت میں اس کو بہکا دیا تو وہ عیسائی ہوجاوے گا۔ ہم نے ایسے واقعات دیکھے ہیں کہ بعض لوگوں سے تنگی اور فقر پر صبر نہ ہوسکا تو انہوں نے دین بدل دیا نعوذ باللہ من ذالک۔ اسی طرح حضرت حاجی صاحب اکثر عوام کو صبر کی تعلیم نہیں فرماتے تھے بلکہ ان کو اختیار اسباب کا امر فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک مسمال نے حضرت سے عرض کیا کہ میں اپنی زمین کو وقف کرنا چاہتی ہوں، حضرت نے منع فرمایا کہ زمین کو وقف نہ کرو اپنی ملکیت ہی میں رکھو اس سے نفس کو سہارا رہتا ہے۔

نوٹ: اس وعظ کا بقیہ حصہ اگلے شمارے میں چھپے گا جس کی ابتدا اس عنوان سے ہو رہی ہے (دو احادیث میں عجیب تطبیق)

(۱) اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ (۲) دوزخ تک پہنچنے کا ذریعہ۔

أخبار الجامعة

محمد منیب صدیقی

ادارۃ أشرف التحقیق۔ جامعہ دار العلوم الاسلامیۃ۔ لاہور

۱۔ بحمد اللہ تعالی عرصہ دراز سے جامعہ میں داخلہ کی بنیادی شرط حفظ قرآن کریم ہے اور اس کے علاوہ داخلہ کیلئے ٹیسٹ کا انعقاد بھی کیا جاتا ہے تاکہ تعلیمی معیار کو برقرار رکھا جاسکے۔ یہی وجہ ہے کہ جامعہ سے فراغت حاصل کرنے والا طالب علم بیک وقت حافظ، قاری، عالم اور عصری علوم میں کم از کم MA (16 سالہ) تعلیم یافتہ ہوتا ہے۔ امسال جامعہ میں داخلہ ٹیسٹ دینے والے طلباء کی کل تعداد تقریبا 389 تھی جن میں سے 189 طلباء داخلہ ٹیسٹ میں کامیاب ہوسکے اور باقی طلباء سے داخلہ کے لئے معذرت کرلی گئی۔ داخل ہونے والے طلباء میں سے 137 طلباء وہ ہیں جن کا قیام و طعام مکمل جامعہ میں ہوگا ان شاء اللہ، باقی 52 طلباء غیر رہائشی نوعیت کے ہونگے۔

۲۔ گزشتہ ایک عرصہ سے جامعہ ہذا اپنی مثالی خدمات کی وجہ سے ملک پاکستان کے دینی طلباء کی توجہات کا مرکز ہے، اور ملک کے طول وعرض سے طلباء حصول تعلیم کیلئے جامعہ میں داخلہ کے خواہشمند رہتے ہیں لیکن انتظامیہ محدود جگہ کی وجہ سے بہت سارے طلباء سے مجبوراً معذرت کرتی ہے۔ اب الحمدللہ احباب کرام کی خصوصی دعاؤں اور اللہ کریم کے فضل وکرم کی بدولت رواں ماہ مانگا منڈی (کوٹ اسد اللہ مین ملتان روڈ) میں ایک وسیع عمارت جامعہ کو بطور شاخ حاصل ہوئی ہے جہاں امسال باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی اس گلشن کی آبیاری فرمانے والے تمام اکابرین بالخصوص شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانویؒ کیلئے صدقہ جاریہ بنائے، اور موجودہ مجلس منتظمہ اور شاخ وقف کرنے والے اصحاب خیر کیلئے جامعہ کے تمام انتظام وانصرام کو آسان ومقبول فرمائے۔ آمین

مذکورہ شاخ میں حسب ذیل درجات میں داخلے شروع ہیں: حفظ وناظرہ، متوسطہ اولی چھٹی جماعت، متوسطہ ثانیہ ساتویں جماعت، متوسطہ ثالثہ آٹھویں جماعت، عامہ اولی نویں جماعت، عامہ ثانیہ دسویں جماعت

۳۔ سلسلہ انگریزی مواعظ کا چوتھا وعظ ''مضار المعصیۃ'' The Harm that Sins Do'' شائع ہوچکا ہے اصحاب ذوق ادارہ اشرف التحقیق سے حاصل کرسکتے ہیں۔